فہرست

شذرات	فہم دین اور مسئلۂ جہاد	محمد بلال	۲
قرآنیات	البقرۃ (۲: ۱۴۸-۱۵۱)	جاوید احمد غامدی	۹
معارفِ نبوی	خدا کے بارے میں سوال	طالب محسن	۱۵
	سوال پر اصرار	″	۱۸
دین و دانش	قانون جہاد (۶)	جاوید احمد غامدی	۲۱
یسئلون	متفرق سوالات	جاوید احمد غامدی / محمد راشد	۲۵
	″ ″	طالب محسن ۔ محمد رفیع مفتی	۳۰
مکاتیب		محمد مشتاق احمد / محمد بلال	۴۳
نقطۂ نظر	غلبۂ دین کی جدوجہد	الطاف احمد اعظمی	۴۹
	شخصیت اور دعوت دین	محمد وسیم اختر مفتی	۵۷
	کرپشن کا خاتمہ: ٹارگٹ نہیں پروسس ہے	سلیم صافی	۶۰
ادبیات	غزل	جاوید احمد غامدی	۶۳

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فہمِ دین اور مسئلۂ جہاد

۱۹۸۴ء کی بات ہے۔ بھارت میں خالصتان کی تحریک عروج پر تھی۔ تحریک کا قائد سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ تھا۔ سکھوں کا سب سے بڑا مذہبی مقام دربار صاحب (گولڈن ٹمپل) اس تحریک کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے تحریک کو کچلنے کے لیے دربار صاحب پر فوجی کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کارروائی میں حصہ لینے والوں میں سکھ فوجی بھی شامل تھے۔ پہلے لاؤڈ اسپیکر پر بھنڈرانوالہ کو ہتھیار ڈالنے کے لیے کہا گیا، مگر بھنڈرانوالہ اور اس کے ساتھیوں پر اس حکم کا کوئی اثر نہ ہوا۔ آپریشن کمانڈر نے کارروائی شروع کرنے کا حکم دیا۔ چار ہزار فوجی دربار صاحب کے گرد پوزیشنیں سنبھال کر آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے، ادھر دربار صاحب سے اچانک سکھوں نے فائرنگ کر دی۔ بھارتی فوجی گولیاں کھا کھا کر پیچھے گرنے لگے، مگر سکھ فوجی بدستور اپنی جگہ کھڑے تھے۔ انھیں دیکھ کر باقی فوجیوں کی حرکت بھی رک گئی۔ کمانڈر نے انھیں حملہ کرنے کا حکم دیا، مگر انھوں نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا۔ اصل میں سکھ فوجی اپنے مقدس مقام پر گولی چلانے کے بجائے اپنے سینوں پر گولیاں کھانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ان کی حکم عدولی سے فوجیوں میں بے چینی پھیل رہی تھی۔ فوج کا ڈسپلن خطرے میں تھا۔ کمانڈر یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر ان فوجیوں نے حملہ کرنے سے انکار کر دیا تو دوسرے فوجی بھی نہ لڑ سکیں گے۔ اس نے ان سکھوں کو گولی مارنے کا حکم دیا۔ دوسرے ہی لمحے کئی رائفلوں سے گولیاں نکلیں اور یہ سکھ فوجی اپنے مقدس مقام پر قربان ہو گئے۔

یہ ہے مذہب۔ یہ ہے مذہب کی اہمیت۔ یہ ہے مذہب کی قوت۔ مذہب کے مقابلے میں انسان کسی حکومت، کسی کمانڈر، کسی ڈسپلن کو خاطر میں نہیں لاتا، حتیٰ کہ وہ اس معاملے میں جان لینے اور جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

پچھلی صدی میں مسلمانوں میں دو نقطہ ہاے نظر بہت مقبول ہوئے۔ ایک نقطۂ نظر یہ کہ اسلام درحقیقت ریاست کا ایک نظام ہے اور اس نظام کو نافذ کرنا مسلمانوں کا سب سے بڑا فرض ہے۔ اس فرض کو ادا کرنے کے لیے مختلف گروہ مختلف طریقے اختیار کر کے پوری طرح سرگرمِ عمل ہیں۔

دوسرا نقطۂ نظر یہ مقبول ہوا کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے، وہاں کی حکومتوں کے خلاف جہاد و قتال کیا جائے۔ اس نقطۂ نظر کے حامل اس معاملے میں کسی حکومت کی ماتحتی کو ضروری خیال نہیں کرتے۔ یہ نقطۂ نظر رکھنے والے مختلف گروہوں کی شکل میں، دنیا کی مختلف حکومتوں کے خلاف ''جہاد و قتال'' میں مصروف ہیں۔ وہ اپنے اس عمل کو دین کا تقاضا سمجھتے، اس کے حق میں آیات و احادیث پیش کرتے اور اس راہ میں جان دینے والوں کو شہید قرار دیتے ہیں۔

یہاں ہمارے پیشِ نظر اس ''جہاد و قتال'' کے مسئلے پر غور کرنا ہے۔ پاکستان اس پہلو سے دنیا کا منفرد ملک ہے کہ یہاں مذہب و مسلک کا بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ ہر شخص کو اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے حتیٰ کہ اس کی اشاعت کرنے کی بھی پوری آزادی حاصل ہے۔ ہماری حکومتیں بھی اس معاملے میں بالعموم کوئی مداخلت نہیں کرتیں۔ لہٰذا یہاں ''جہاد و قتال'' کرنے والے بھی بہت سے گروہ موجود ہیں۔ وہ اپنے رسائل شائع کرتے ہیں، لوگوں سے مالی امداد حاصل کرتے ہیں، اپنے اجتماع منعقد کرتے ہیں، لوگوں کو اپنا ہم خیال بناتے ہیں، لوگوں کو مسلح لڑائی کی ٹریننگ دیتے ہیں اور پھر جس ملک میں ضرورت محسوس کرتے ہیں، وہاں اپنے لوگ بھیجتے ہیں۔ ہماری حکومتیں ان تمام معاملات میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتی تھیں۔

مگر پچھلے دنوں موجودہ حکومت نے ان ''جہادی'' گروہوں کے معاملے میں سختی سے کام لیا اور ''جہادی'' تنظیموں کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنے، سرِ عام چندہ مانگنے، اسلحہ کی نمایش کرنے اور کمانڈو ٹریننگ دینے پر پابندیاں لگانے کے عزائم کا اظہار کیا۔ ادھر ''جہادی'' گروہوں نے بھی ان باتوں کو اسی سختی کے ساتھ رد کر دیا۔ پھر حکومت ہی کے دوسرے افراد نے ''جہادی'' تنظیموں کے حق میں بیانات دینے شروع کر دیے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت ''جہادی'' تنظیموں کے خلاف سخت کارروائی کرنے سے قبل ان کے ردِ عمل کا اندازہ کر رہی ہے۔

''جہادی'' گروہ اور ان کے حامی اس معاملے میں کہتے ہیں کہ اگر حکومت اپنی جہاد و قتال کرنے کی ذمہ داری پوری نہیں کرے گی تو ظاہر ہے کہ لوگ خود یہ ذمہ داری نبھانے کے لیے آگے بڑھیں گے اور خود ''جہاد و قتال'' کریں گے۔ ''جہاد'' سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ ہم اپنے عقیدے سے منحرف نہیں ہوں گے۔ ''جہادی''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

گروہ پوری قوم کی طرف سے کفارہ ادا کر رہے ہیں۔ وہ محض اللہ کی خوشنودی اور اسلام کی سربلندی کے لیے ''جہاد'' کر رہے ہیں۔

بلاشبہ ''جہادی'' گروہ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ مادہ پرستی کے اس دور میں اکثر مسلمان دین کی خاطر چند لمحے صرف کرنے اور چند روپے خرچ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے جبکہ ''جہادی'' گروہ دین کی خاطر جان لٹانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اس پہلو سے غور کریں تو ''جہاد'' کرنے والے لوگ غیر معمولی تحسین و آفرین اور عزت واحترام کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

مگر مسئلہ یہ ہے کہ دین ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم دین پر عمل دین ہی کے بتائے ہوئے راستے کے مطابق کریں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جہاد وقتال کرنا مسلمانوں کی حکومت ہی کا حق ہے۔ اگر حکومت یہ کام فرض ہو جانے کے باوجود نہ کرے تو اسے ہی خدا کے احتساب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اگر کسی موقع پر اہلِ علم یہ خیال کرتے ہیں کہ جہاد فرض ہو چکا ہے تو انھیں چاہیے کہ وہ حکومت کو اس جانب توجہ دلائیں۔ اسے دعوت دیں۔ اسے سمجھائیں۔ اگر حکومت مائل ہو جائے تو جذبۂ جہاد رکھنے والوں کو حکومت کے تحت اپنے جذبے کی تسکین کرنے کی راہ دکھائیں۔

اسی طرح حکومت کے سامنے جب جہاد کرنے کا مسئلہ آئے تو یہ ضروری ولازمی ہے کہ وہ دو باتوں کو ہر حال میں پیشِ نظر رکھے: ایک یہ کہ جس ملک کے خلاف وہ جنگ و جہاد کا فیصلہ کرے، اس کے ساتھ اس نے کوئی ایسا معاہدہ تو نہیں کر رکھا جس کی خلاف ورزی ہو جائے۔ اس لیے کہ حکمِ الٰہی ہے:

> ''جو لوگ ایمان لائے ہیں، مگر جنھوں نے ہجرت نہیں کی، تم پر ان کی اس وقت تک کسی قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے جب تک وہ ہجرت کر کے تمھارے پاس نہ آ جائیں۔ البتہ، وہ اگر تمھیں دین کے نام پر مدد کے لیے پکاریں، تو تم پر ان کی مدد کرنے کی ذمہ داری ہے، الا یہ کہ جس قوم کے خلاف تمھیں مدد کے لیے پکاریں، اس کے اور تمھارے درمیان کوئی معاہدہ موجود ہو۔ اور یاد رکھو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔'' (الانفال ۸:۷۲)

اب اگر بھارت کے خلاف جنگ و جہاد پر غور کیا جائے تو تاشقند، شملہ اور لاہور کو اس پہلو سے ضرور یاد رکھا جائے، جہاں بیٹھ کر پاکستان اور بھارت نے باہمی تنازعے پرامن ذرائع سے حل کرنے کے معاہدے کیے۔ لہٰذا جو شخص اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ ''اللہ اسے دیکھ رہا ہے'' اور دنیا کے مقابلے میں آخرت بہتر ہے، وہ کسی سیاسی اور دنیوی فائدے کی خاطر زمین و آسمان کے خالق، مالک اور پروردگار جیسی عظیم ترین ہستی کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

غضب کو دعوت دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

دوسری بات یہ کہ اس معاملے میں حکومت کو حقیقت کی زمین پر کھڑے ہو کر جہاد کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہو گا۔ اسے یہ دیکھنا ہو گا کہ جس قوم سے اسے لڑنا ہے، اس کے مقابلے میں اس کی عسکری قوت کیا ہے۔ مزید یہ کہ اس کی اپنی قوم کی ایمانی اور اخلاقی حالت کیا ہے۔ ہمارے ہاں جہاد کے معاملے میں صرف جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے، جبکہ عالم کا پروردگار اس ضمن میں دوسرے طریقے سے معاملہ کرتا ہے۔ ذیل میں ہم دو آیات پیش کرتے ہیں جن سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاد الل ٹپ طریقے سے صرف جذبات ہی کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا۔

غور کیجیے، جب مسلمان ایمان و اخلاق کے اعتبار سے بہتر مقام پر تھے تو اس وقت ان کے اس مقام کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ''اے نبی، ان اہلِ ایمان کو جہاد پر ابھارو، تم میں سے اگر بیس ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو ایسے ہوں گے تو ان کافروں کے ہزار پر بھاری رہیں گے، اس لیے کہ یہ بصیرت سے محروم لوگ ہیں۔''
> (الانفال ۸: ۶۵)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اور جب مسلمانوں میں نو مسلم داخل ہوئے، جن کی ایمانی حالت ظاہر ہے کہ مہاجرین و انصار کے ایمان جیسی نہ تھی تو مجموعی طور پر تناسب کے اعتبار سے مسلمانوں کی ایمانی حالت بھی کمزور ہو گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس تبدیل شدہ صورتِ حال کے حوالے سے فرمایا:

> ''اب اللہ نے تمھارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے اور جان لیا ہے کہ تم میں کمزوری آ گئی ہے۔ لہٰذا تم میں سے اگر سو ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر ہزار ایسے ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر بھاری رہیں گے اور (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو (اس کی راہ میں) ثابت قدم رہیں۔'' (الانفال ۸: ۶۶)

یعنی اللہ تعالیٰ جہاد کی ذمہ داری اس وقت مسلمانوں پر عائد کرتا ہے، جب ظالم قوم کے مقابلے میں مسلمانوں کی عسکری قوت کم سے کم نصف ہو۔

اگر حکومت جہاد فرض ہو جانے، حتیٰ کہ توجہ دلانے، دعوت دینے اور سمجھانے کے باوجود جہاد نہ کرے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اہلِ علم خود جہاد کرنا شروع کر دیں۔ اگر کسی بیوی کا شوہر حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے۔ بیوی کسی عالمِ دین کے سامنے اپنا مسئلہ بیان کرے تو عالمِ دین شوہر کو یہ حق ادا کرنے کی ترغیب ہی دے سکتا ہے۔ حتیٰ کہ شوہر کے انکار کے باوجود عالمِ دین شوہر کو ترغیب ہی دے سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ عالمِ دین یہ حق

خود ہی ادا کرنا شروع کر دے۔ اگر کوئی عالمِ دین ایسا کرتا ہے تو وہ یقیناً بڑی سنگین حرکت کا ارتکاب کرتا ہے، مگر افسوس ہے کہ ہمارے ہاں ایسی حرکت جہاد و قتال جیسے مسئلے میں ہو رہی ہے۔ ''جہادی'' گروہ ایک ایسا کام کرنے پر مصر ہیں جس کا انھیں کسی طرح کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ وہ ایسا کام کرنے پر کیوں مصر ہیں؟ حالانکہ اس میں ان کی جان جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ اور بے شمار لوگ اس معاملے میں اپنی جان دے بھی چکے ہیں۔

اس کی وجہ دین کو سمجھنے میں غلطی ہے۔ جب تک یہ غلطی واضح نہیں ہوگی، اس وقت تک حکومتوں کی سختی سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ہماری حکومتیں بالعموم مسائل کو بہت سطحی انداز سے حل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ اس معاملے میں ظاہری اور قانونی راستہ ہی اختیار کرتی ہیں، جس سے مسئلہ جڑ بنیاد سے حل نہیں ہوتا، بلکہ کچھ مزید شدت اور سنگینی اختیار کر لیتا ہے۔

اب صورتِ حال کی نزاکت کا اندازہ کیجیے، حکومت کی ''جہادی'' گروہوں کے خلاف مذکورہ کارروائی کے بارے میں ''پرائیویٹ جہاد'' کے حامی ایک دانشور نے لکھا:

> ''جس طرح سندھ، پنجاب، سرحد اور بلوچستان کی خاطر لڑنا ہر پاکستانی کا فرض ہے، اسی طرح کشمیر کی آزادی اور اسے پاکستان کا حصہ بنانے کے لیے جدوجہد کرنا بھی اہلِ پاکستان کا قانونی حق اور شرعی فریضہ ہے۔ اگر ہماری سیکولر سیاسی جماعتوں اور ہمارے انگریزی نژاد پبلک اسکولوں کے پڑھے ہوئے لوگوں کو توفیق نہیں ہوتی کہ اپنے عقیدے اور نظریے کی خاطر اپنی جانیں اللہ کی راہ میں پیش کریں تو کیا ضروری ہے ہمارے مجاہدین بھی مظلوموں کی حمایت ترک کر دیں، جبکہ قرآنِ پاک کا واضح حکم ہے: ''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارے لیے کوئی حامی و مددگار پیدا کر۔'' (النساء)...... ''جہاد کرو اللہ کے راستے میں مال سے اور جان سے جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔'''' (جنگ ۲۳ فروری ۲۰۰۱)

جہاد و قتال کے حامی علما بھی ایسی ہی آیات پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک مذہبی مسلمان ان آیات کو پڑھ کر کسی حکومت وغیرہ کو خاطر میں نہیں لائے گا۔ وہ تو اپنی مقدس کتاب کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے، اپنے خدا کا حکم بجا لاتے ہوئے، اپنے ایمان کا تقاضا پورا کرتے ہوئے لڑنے کے لیے نکل کھڑا ہوگا یا لڑنے والوں کے لیے سراپا تعاون بن جائے گا۔

پھر اس مسئلے کا حل کیا ہے؟ اس مسئلے کا صحیح حل دین کے صحیح فہم کو دلائل کے ساتھ، حکمت کے ساتھ، تہذیب

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کے ساتھ، مختلف سطحوں پر، مختلف شکلوں میں، پوری سرگرمی اور پوری دل سوزی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ عام کرنا ہے۔

دین کا صحیح فہم کیا ہے؟ دین کا صحیح فہم یہ ہے کہ قرآنِ مجید متفرق ہدایات پر مبنی کوئی مجموعہء اقوال نہیں ہے، اس کی سورتیں اور آیتیں باہم مربوط ہیں، وہ ایک نظم کی لڑی میں پروئی ہوئی ہیں، اس لیے ان کا مفہوم متعین کرتے ہوئے ان کے سیاق وسباق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، پھر ان آیات کا ایک خاص پس منظر ہوتا ہے، ان کا کوئی خاص موقع ومحل ہوتا ہے، ان کا کوئی خاص مخاطب ہوتا ہے اور ہر مسلمان ہر آیت کا مخاطب نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر دیکھیے: سورۂ توبہ میں حکمِ الٰہی ہے:

''ان مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، ان کو پکڑو، ان کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک لگاؤ۔'' (۹:۵)

کیا یہاں مشرکین سے مراد دنیا کے تمام شرک کرنے والے ہیں؟ کیا انھیں قتل کرنا تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ یہاں مشرکین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب مشرکینِ عرب ہیں اور انھیں قتل کرنے کا حکم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رسول اور ایک حکمران کی حیثیت سے دیا گیا ہے۔ یہ بات ان آیات کے سیاق وسباق، مخصوص پس منظر اور قرآنِ مجید کے دیگر مقامات سے بالکل واضح ہو جاتی ہے اور اس طرح واضح ہوتی ہے کہ اس کے سوا کوئی رائے قائم کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مزید دیکھیے، سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

''وہ لوگ جو اللہ اور رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد برپا کرنے کے لیے تگ ودو کرتے ہیں، ان کی سزا بس یہ ہے کہ عبرت ناک طریقے سے قتل کیے جائیں یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔'' (۵:۳۳۔۳۴)

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

''اے ایمان والو، تم میں سے جو قتل کر دیے جائیں، ان کا قصاص تم پر فرض کیا گیا ہے۔'' (۲:۱۷۸۔۱۷۹)

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے:

''زانی عورت ہو یا مرد، دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔'' (۲۴:۲)

سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے:

''اور چور، خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔'' (۵:۳۸۔۳۹)

ان احکامِ الٰہی کو پڑھ کر اگر کوئی شخص خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے، پوری قوم کا کفارہ ادا کرنے

کے لیے، اسلام کی سربلندی کے لیے کسی فساد کے مرتکب کے خود ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا ہے، کسی قتل کے مرتکب کو خود قتل کر دیتا ہے، کسی چور کے خود ہاتھ کاٹ دیتا ہے، کسی زانی کو خود کوڑے مارنے لگتا ہے تو وہ بظاہر حکمِ الٰہی کی تعمیل کرتا ہوا نظر آئے گا، مگر وہ درحقیقت حکمِ الٰہی کی غلط تعمیل کر رہا ہوگا۔ باالفاظِ دیگر خود فساد فی الارض کا ارتکاب کر رہا ہوگا۔ خود قانون کو ہاتھ میں لینے کا جرم کر رہا ہوگا۔ جید اہلِ علم جانتے اور مانتے ہیں کہ چونکہ یہ احکام قرآنِ مجید میں مدنی سورتوں میں آئے ہیں، یعنی یہ احکام اس وقت نازل ہوئے ہیں جب مدینہ میں مسلمانوں کی ریاست قائم ہوگئی تھی، اس لیے ان احکام کے مخاطب درحقیقت مسلمانوں کے حکمران ہیں۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ ان احکام پر عمل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی حیثیت سے نہیں کیا، بلکہ حکمران کی حیثیت سے کیا۔ بالکل اسی طرح ظلم وعدوان کے خلاف جہاد وقتال کے احکام کے اصل مخاطب بھی مسلمانوں کے حکمران ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین نے اپنے حکمران ہونے کی حیثیت سے یہ جہاد وقتال کیا اور اپنے تحت عام مسلمانوں کو اس کی ترغیب دی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں بالکل واضح الفاظ میں فرما بھی دیا کہ جہاد وقتال مسلمانوں کے حکمران پیچھے رہ کر کیا جاتا ہے۔

آج حکومت کی ماتحتی کے بغیر ''جہاد'' کرنے والے گروہ جتنے بھی دلائل دیتے ہیں، جتنے بھی دینی احکام بیان کرتے ہیں اور سیرت النبی کے جتنے بھی واقعات پیش کرتے ہیں، سب کے پیچھے، جی ہاں سب کے پیچھے فہمِ دین ہی کی کوئی نہ کوئی غلطی کارفرما ہوتی ہے، جسے مضبوط تر دلائل کے ساتھ بڑی آسانی سے دور کیا جا سکتا ہے۔ اس سے امید ہے کہ مسئلہ جڑ بنیاد سے حل ہوگا اور کسی ہنگامہ آرائی اور تصادم کے بغیر حل ہوگا۔ بصورتِ دیگر حکومت سخت سے سخت قوانین بناتی رہے گی، سخت سے سخت کارروائیاں کرتی رہے گی، مگر ''پرائیویٹ جہاد'' کرنے والے ''جہاد'' کرتے رہیں گے، لوگ ان کی مالی امداد بھی کرتے رہیں گے اور اخلاقی حمایت بھی کرتے رہیں گے، اس لیے کہ وہ یہ کام ایک مقدس کام سمجھ کر، اپنے مذہب کا تقاضا سمجھ کر، خدا کا حکم سمجھ کر انجام دیں گے۔ اور اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مذہب کے اندر بڑی قوت ہے۔ مذہب کے مقابلے میں انسان کسی حکومت، کسی کمانڈر، کسی ڈسپلن کو خاطر میں نہیں لاتا، حتیٰ کہ وہ اس معاملے میں جان لینے اور جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

—— محمد بلال

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(۲۸)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

اور (ان میں سے) ہر ایک نے (اپنے لیے قبلے کی) ایک سمت مقرر کر رکھی ہے،[۳۷۱] وہ اُسی کا رخ کرتا ہے۔[۳۷۲] اِس لیے (تم اِنھیں چھوڑو اور) نیکیوں کی راہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔[۳۷۳] تم

۳۷۱ اصل الفاظ ہیں: 'ولکل وجھۃ ھو مولیھا'۔ ان میں 'کل' کا لفظ اگرچہ نکرہ ہے، لیکن یہ جب کسی شخص یا گروہ کا ذکر کرنے کے بعد آئے تو اس سے بالعموم وہی شخص یا گروہ مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہی ہیں جن کے بعض گروہوں کا ذکر اوپر ہوا ہے۔

۳۷۲ یعنی اپنے تعصّبات کو آسانی سے نہیں چھوڑتا۔ اِس لیے تم خواہ کتنا ہی زور لگاؤ، یہ اپنی مقرر کردہ سمت کو چھوڑ کر حق کی پیروی کے لیے تیار نہ ہوں گے۔

۳۷۳ مطلب یہ ہے کہ ان ہٹ دھرموں کو ان کے حال پر چھوڑ و اور جو قبلہ تمھارے لیے مقرر کیا گیا ہے، اسے فلاح و سعادت کی جدوجہد میں خدا کا مقرر کردہ نشان سمجھ کر ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جَمِيْعاً اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْ ءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾

جہاں بھی ہو گے، اللہ تم سب کو (فیصلے کے لیے[374]) اکٹھا کرے گا۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۴۸

''قبلہ کے متعلق یہ بات کہ وہ فلاح وسعادت کے حصول کے لیے ایک نشان اور علم کی حیثیت رکھتا ہے، محض کوئی استعارہ نہیں، بلکہ ایک حقیقت ہے۔ اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے اس عظیم تاریخ کو حافظے میں ازسرِ نو تازہ کرنے کی کوشش کیجیے جو اس گھر کے ایک ایک پتھر پر نقش ہے جس کو قبلہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ گھر وہ گھر ہے جس کی تعمیر ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ نے اپنے مقدس ہاتھوں سے کی ہے۔ یہ گھر وہ گھر ہے جو اس دنیا کے بت کدے میں خدائے واحد کی عبادت کا اولین مرکز ہے، اسی گھر کے پہلو میں مروہ پہاڑی ہے جس کے دامن میں چشمِ فلک نے رضائے الٰہی کے لیے بوڑھے باپ کو محبوب اور اکلوتے فرزند کی گردن پر چھری چلاتے اور اسلام کی حقیقت کا مظاہرہ کرتے دیکھا ہے۔ یہی گھر ہے جس کے اردگرد کے چٹیل میدانوں کو قدرت نے اس امتِ مسلمہ کی نشو ونما کے لیے منتخب فرمایا جس کے ذریعے سے دنیا کی تمام قوموں کو خدا کی رحمت تقسیم ہونے والی تھی۔ یہی گھر ہے جو حضرت ابراہیم کے وقت سے لے کر برابر تمام قدوسیوں کا قبلہ رہا ہے اور جس میں طواف واعتکاف اور رکوع وسجود کی سعادت اتنے انسانوں نے حاصل کی ہے کہ جس طرح زمین کے ذروں اور آسمان کے ستاروں کا شمار ناممکن ہے، اسی طرح ان نفوسِ قدسیہ کا شمار بھی ناممکن ہے۔ اسی کے قرب میں وہ میدان ہے جس کی ریت کا ایک ایک ذرہ توبہ واستغفار کے سجدوں کا گواہ اور خوفِ خدا سے رونے والوں کے آنسووں کا امین ہے۔ اسی گھر کے ایک کونے میں وہ مقدس پتھر ہے جس کو خدا کے دَہنے ہاتھ سے تشبیہ دی گئی ہے اور جس کو ہاتھ لگا کر یا بوسہ دے کر لاکھوں کروڑوں انبیا وصدیقین اور صلحا وابرار نے اپنے رب سے عہدِ بندگی و وفاداری استوار کیا ہے۔ اسی کے پاس وہ جمرات ہیں جو اس گھر کے دشمنوں کی ذلت و پامالی کی یادگار ہیں اور جن پر سنگ باری کر کے اہلِ ایمان اپنے اندر برابر اعدائے دین کے خلاف جہاد کی روح تازہ کرتے رہے ہیں۔ اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی گھر کے سایے میں خدا کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پرورش پائی جن کے لائے ہوئے نور اور جن کی بخشی ہوئی ضیا نے تمام دنیا میں اجالا کر دیا۔

ایک ایسی عظیم روایات کے امین گھر کو قبلہ بنانے کے معنی یقیناً یہی ہیں کہ اس کو ایک نشان قرار دے کر ان روحانی خزانوں کے حصول کی جدوجہد کی جائے جو سیدنا ابراہیم سے لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک اس گھر کو ودیعت ہوئے یا دوسرے لفظوں میں اس کو ایک پاور ہاؤس سمجھیے جس سے پوری امت زندگی، حرارت، روشنی اور قوت

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ

(اِنھیں چھوڑو) اور (سفر میں بھی ہمیشہ) جہاں سے نکلو، (نماز کے لیے) اپنا رخ مسجدِ حرام ہی کی طرف کرو۔[۳۷۵] اِس میں شبہ نہیں کہ تمھارے پروردگار کی طرف سے یہی حق ہے، اور (یاد رکھو کہ) جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔[۳۷۶] ۱۴۹

اور (ایک مرتبہ پھر سنو کہ سفر میں بھی ہمیشہ) جہاں سے نکلو، (نماز کے لیے) اپنا رخ مسجدِ

حاصل کرتی ہے۔ جن لوگوں پر قبلہ کی عظمت واہمیت کا یہ پہلو واضح نہیں ہے، وہ اکثر اس امر میں حیران ہوتے ہیں کہ اینٹ اور پتھر کے بنے ہوئے ایک مکان کو دین میں اس درجہ اہمیت کیوں دے دی گئی ہے، لیکن اوپر کی تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ اصل اہمیت اینٹ پتھر کے مکان کی نہیں، بلکہ ان عظیم روایات کی ہے جو اس گھر سے وابستہ ہیں اور جو اس دنیا کی روحانی وایمانی زندگی کا واحد ذریعہ ہیں۔ ان روایات کی وجہ سے ملت کے نظامِ اجتماعی میں اس گھر کو وہی اہمیت حاصل ہے جو ایک جسم کے نظام میں قلب کو حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح قلب کے بغیر جسم کا وجود نہیں، اسی طرح قبلہ کے بغیر ملت کا کوئی تصور نہیں۔'' (تدبرِ قرآن، ج ۱، ص ۳۷۳۔ ۳۷۴)

۳۷۴ یعنی اس فیصلے کے لیے کہ کون حق کی راہ پر چلنے والا تھا اور کس نے ضد اور ہٹ دھرمی کا رویہ اختیار کیا۔

۳۷۵ اوپر آیت ۱۴۳ میں یہ بات اگرچہ واضح کر دی گئی تھی کہ آدمی جہاں کہیں بھی ہو، اسے قبلہ ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی چاہیے، لیکن یہود ونصاریٰ جس گمراہی میں مبتلا ہوئے، اس کے پیشِ نظر ضروری ہوا کہ پوری صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا جائے کہ حضر کی طرح سفر میں بھی قبلے کا اہتمام لازم ہے تاکہ مسجدِ حرام سے اس امت کا تعلق کسی حالت میں منقطع نہ ہونے پائے۔

۳۷۶ یہ تنبیہ اس لیے فرمائی ہے کہ عذرِ سفر کی بنا پر کوئی شخص اس معاملے میں بے پروائی اور سہل انگاری کا رویہ اختیار نہ کرے۔ واحد کے صیغے سے خطاب کا اسلوب اس سلسلۂ بیان کی دوسری آیات کی طرح اس آیت کے شروع میں بھی ہے، لیکن 'عما تعملون' کے الفاظ سے یہاں واضح کر دیا ہے کہ مخاطب سب مسلمان ہی ہیں۔

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَآ

حرام ہی کی طرف کرو، اور (عام حالات میں بھی) تم جہاں کہیں ہو، اپنا رخ اِسی (مسجد) کی طرف کرو،[۳۷۷] اِس لیے کہ اِن لوگوں کو تمھارے خلاف کوئی حجت نہ ملے[۳۷۸] ـــــ ہاں جو ظالم ہیں، (اُن کی زبان تو کوئی چیز بھی بند نہیں کرسکتی)، سوتم اُن سے نہ ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو ـــــ اور اِس لیے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کردوں[۳۷۹] اور اس لیے کہ تم صحیح راستہ پالو۔[۳۸۰] چنانچہ[۳۸۱] (یہی مقاصد ہیں

---

۳۷۷ سفر اور حضر دونوں حالتوں سے متعلق یہ احکام اس سے متصل پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں انھیں اکٹھے اور بعینہٖ انھی الفاظ میں دہرانے سے کیا مقصود ہے؟ آیت پر تدبر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے مقصود ان کی وہ تین عظیم حکمتیں بیان کرنا ہے جن کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ یہ حکمتیں ان دونوں ہی حکموں سے متعلق ہیں۔ قرآن نے ان کے بیان سے پہلے تمہید کے طور پر ان حکموں کو دہرا کر ذہنوں کو ان کی طرف ایک مرتبہ پھر متوجہ کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس شد و مد کے ساتھ سفر اور حضر میں، اندر باہر، ہر جگہ اور ہر صورت میں بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا یہ حکم کوئی معمولی حکم نہیں ہے۔ یہ نہایت عظیم حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی حکم ہے۔ اس وجہ سے اس کا پورا اہتمام ہونا چاہیے اور اس کی یہ حکمتیں بھی ہر شخص کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہییں۔

۳۷۸ یہ پہلی حکمت بیان ہوئی ہے۔ اصل الفاظ ہیں: 'لئلا یکون للناس علیکم حجۃ'۔ ان میں 'الناس' سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قبلہ کے بارے میں ان کی سہل انگاری اور مشرق و مغرب کے اختلافات پر جو کچھ ہم نے کہا ہے، وہی کچھ انھیں کہیں تمھارے متعلق کہنے کا موقع نہ مل جائے اور اس سے حجت پکڑ کر یہ اس دعوت کے خلاف کوئی وسوسہ اندازی نہ کریں۔

۳۷۹ یہ دوسری حکمت ہے اور اس میں نعمت سے مراد وہی نعمت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت فرمایا تھا جب وہ اپنے بیٹے کی قربانی کے امتحان میں کامیاب ہوئے تھے۔ اُس وقت ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اُن کے اس بیٹے کی نسل سے ایک عظیم امت برپا ہوگی جس سے دنیا کی تمام قومیں دین کی برکت پائیں گی۔ مدعا یہ ہے کہ تحویلِ کعبہ سے جس اتمامِ نعمت کی ابتدا ہو رہی ہے، اس کے پیشِ نظر تمھیں پوری

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ

جن کے لیے) ہم نے ایک رسول تم میں سے تمھارے اندر بھیجا ہے جو ہماری آیتیں تمھیں سناتا ہے[۳۸۲] اور تمھارا تزکیہ کرتا ہے[۳۸۳] اور (اِس کے لیے) تمھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے[۳۸۴] اور

طرح متنبہ رہنا چاہیے کہ تم سے اس معاملے میں کوئی ایسی غلطی نہ ہو جو تمھارے لیے کسی محرومی کا باعث بن جائے۔

۳۸۰ اس سے مراد وہ راستہ ہے جسے قرآن میں 'ملة ابراهيم' سے تعبیر کیا گیا اور جس کے متعلق سورۂ انعام (۶) کی آیت ۱۶۱ میں ارشاد ہوا ہے: قل اننی هدبنی ربی الی صراط مستقیم ، دینا قیما ملة ابراهیم حنیفا۔ (کہہ دو، میرے پروردگار نے میری رہنمائی ایک سیدھی راہ کی طرف فرمائی ہے، وہی دینِ قیم، یعنی ابراہیم کی ملت جو بالکل یک سو تھا)۔ بیت اللہ اسی ملت کی طرف رہنمائی کا نشان ہے، لہٰذا فرمایا کہ قبلے کے معاملے اس اہتمام کی ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ خدا تک پہنچانے والا یہ سیدھا اور فطری راستہ تمھاری نگاہوں سے کبھی اوجھل نہ ہو۔

۳۸۱ اصل میں لفظ 'کما' استعمال ہوا ہے۔ یہ جس طرح تشبیہ کے لیے آتا ہے، اسی طرح اس موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے جس موقع پر ہم 'چنانچہ' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ یہاں، اگر غور کیجیے تو یہ اسی مفہوم میں آیا ہے۔

۳۸۲ 'آية' عربی زبان میں اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز پر دلیل لائی جائے۔ قرآن کا ہر جملہ کسی نہ کسی حقیقت کے لیے دلیل و برہان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے لیے 'آية' کا لفظ اسی رعایت سے اختیار کیا گیا ہے۔ آیتیں سنانے کے لیے اصل میں 'یتلوا علیکم' کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ اُس زور و اختیار کو ظاہر کرتے ہیں جس کے ساتھ اللہ کا رسول اس کے سفیر کی حیثیت سے لوگوں کو اس کا فرمان پڑھ کر سناتا ہے اور پھر خدا کی عدالت بن کر اس کا فیصلہ ان پر نافذ کرتا ہے۔

۳۸۳ تزکیہ کے معنی کسی چیز کو آلایشوں سے پاک کرنے کے بھی ہیں اور نشوونما دینے کے بھی۔ انبیا علیہم السلام انسانوں کو جس قانون و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اس سے یہ دونوں ہی چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ آیت میں اس کا ذکر جس طریقے سے ہوا ہے، اس سے واضح ہے کہ پورے دین کا مقصد درحقیقت یہی ہے۔ چنانچہ تزکیہ کوئی الگ چیز نہیں، بلکہ قانون و حکمت کا حاصل ہے۔ انسان جب انھیں پوری طرح اختیار کر لیتا ہے تو

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

يُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

(اِس طرح) وہ چیزیں تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا[۳۸۵] اور میرے شکر گزار بن کر رہو،[۳۸۶] میری ناشکری نہ کرو۔[۳۸۷] ۱۵۰۔۱۵۱

تزکیہ اس کے لازمی نتیجے کے طور پر اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے کہیں اور جانے اور کچھ اور کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۳۸۴ اصل میں 'یعلمکم الکتاب والحکمة' کے الفاظ آئے ہیں۔ 'الکتاب' قرآن کی زبان میں جس طرح خط اور کتاب کے معنی میں آتا ہے، اسی طرح قانون کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ قرآن کے نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور 'الحکمة' جب اس طرح عطف ہو کر آتے ہیں تو 'الکتاب' سے شریعت اور 'الحکمة' سے دین کی حقیقت اور ایمان و اخلاق کے مباحث مراد ہوتے ہیں۔ یہاں بھی یہی صورت ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت واضح ہوتی ہے کہ آپ کی دعوت قانون و حکمت، دونوں کی جامع ہے۔ اس کے لیے 'یعلمکم' کا فعل بالکل اسی طرح آیا ہے جس طرح 'الرحمن، علم القرآن' (۵۵: ۱۔۲) میں ہے، یعنی تمھارے اندر وہ رسول بھیجا ہے جو تمھیں قانون و حکمت کا علم دے گا۔ یہ یہاں اردو زبان کے لفظ تعلیم کے معنی میں نہیں ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۳۸۵ اس یاد دہانی کی نوعیت ایک معاہدے کی ہے۔ اللہ کو یاد رکھنے اور اس کے جواب میں اللہ کے یاد رکھنے سے مقصود اس جگہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض اور ذمہ داریاں تمھارے سپرد کی ہیں، تم انھیں پورا کرو گے تو اس کے صلے میں دنیا اور آخرت میں کامیابی کے جو وعدے اس نے تم سے کیے ہیں، وہ انھیں پورا کرے گا۔

۳۸۶ یعنی دنیا کی امامت اور اس کے لیے دین و شریعت کی جو نعمت میں نے تمھیں دی ہے، اس کا صحیح صحیح حق ادا کرو۔ یہی اس نعمت کا شکر ہے۔

۳۸۷ یعنی یہود کی طرح اس نعمت کی ناشکری نہ کرو۔ ورنہ جس طرح وہ اس سے محروم ہوئے ہیں، اسی طرح تم بھی اس نعمت سے محروم کر دیے جاؤ گے۔ اللہ کا قانون بالکل بے لاگ ہے، اس کی زد سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔

(باقی)

طالب محسن

خدا کے بارے میں سوال

(مشکوٰۃ المصابیح، حدیث: ۷۵۔۷۶)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وعن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال : لا يزال الناس يتساءلون حتی يقال : هذا خلق اللّٰه الخلق ، فمن خلق اللّٰه ؟ فاذا قالوا ذلك فقولوا : اللّٰه أحد ، اللّٰه الصمد، لم يلد و لم يولد ، ولم يكن له كفوا أحد ، ثم ليتفل عن يساره ثلاثا ، و ليستعذ باللّٰه من الشيطان الرجيم۔

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہا جائے گا: اس مخلوق کو تو اللہ تعالیٰ نے تخلیق کیا ہے، (پھر) اللہ تعالیٰ کو کس نے تخلیق کیا ہے؟ جب وہ یہ کہیں تو اس کے جواب میں کہو: اللہ ایک ہے، اللہ سب کا سہارا ہے، نہ اس کا بیٹا ہے اور نہ اس کا باپ، اور نہ کوئی اس کا ہم پلہ ہے۔ پھر اسے چاہیے کہ اپنی دائیں جانب تین مرتبہ تھوک دے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی شیطان مردود سے پناہ مانگے۔''

لغوی مباحث

الـخلق: ’خَلَقَ‘ سے مصدر بطور اسم بھی آتا ہے۔ روایت کے مضمون سے واضح ہے کہ یہاں اس سے تمام مخلوقات مراد ہیں۔

الصمد: پناہ کی چٹان، وہ ذات جس کا سہارا لیا جاتا ہو۔

لیتفل: ’تَفَلَ، یَتْفُلُ‘ سے فعل امر غائب: وہ تھوک دے۔

ولیستعذ: استعاذہ سے مراد شیطان کو دور کرنے میں معاونت کی طلب ہے۔

الرجیم: ۔فعیل کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے۔ وہ جسے رسوا کرکے مار مار کر نکال دیا گیا ہو۔ یہ شیطان کے راندۂ درگاہ ایزدی ہونے کے باعث اس کی مستقل صفت ہے۔ تعوذ میں اس کا التزام اس لیے سکھایا گیا ہے تاکہ شیطان کا ملعون ہونا مستحضر رہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

متون

بخاری میں یہ روایت ’فمن خلق الله؟‘ کے سوال پر ختم ہوگئی ہے۔ مسلم کی روایت میں ’فإذا قالوا ذلك‘ کے بجائے ’فمن وجد من ذلك شیء‘ کے الفاظ ہیں اور اس وسوسے پر قابو پانے کے لیے سورۂ اخلاص کے مضامین کی جگہ محض اللہ پر ایمان کو دہرانے کی تلقین کی گئی ہے۔ ابوداؤد میں اس روایت کے دو متن روایت ہوئے ہیں۔ ایک متن بعینہٖ مسلم کا متن ہے۔ البتہ دوسرا متن وہی ہے جسے صاحبِ مشکوٰۃ نے منتخب کیا ہے۔ احمد نے بھی اسی روایت کو لیا ہے، جس میں سورۂ اخلاص کے مضامین نہیں ہیں۔ سنن کبریٰ میں ’لا یزال الناس‘ کے موقع پر ’یوشك الناس أن یتساءلوا بینهم حتی یقول قائلهم‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ تمام متون معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی مضمون کے حامل ہیں۔

معنی

اس روایت میں بنیادی طور پر ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں پیدا ہونے والے سوالات سے نمٹنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ ان سوالات سے عہدہ برآ ہونے کا جو طریقہ اس روایت میں تجویز کیا گیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ذاتِ باری کے بارے میں اٹھنے والے سوالات

شیطانی وسوسے کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ اس نوع کے سوالات کا کوئی تجزیہ کرنے اور انھیں حقیقی علمی سوالات مان کر ان کا جواب تلاش کرنے کے بجائے صرف ان سوالات کے نفس پر پڑنے والے مضر اثرات سے بچنے کا طریقہ تجویز کیا گیا ہے۔

اس طریقے کے دو اہم اجزا ہیں: ایک جز وہ ہے جس میں سورۂ اخلاص کے مضامین کو اپنے مانے ہوئے اعتقادات کی حیثیت سے دہرانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس کا تعلق ذہنی اطمینان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات خالق و مالک ہے۔ اس کا اور مخلوقات کا تعلق خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کا ہے۔ اس کے بارے میں ہمیں یہ واضح شعور دیا گیا ہے کہ وہ ذات نہ کسی مخلوق کے لیے باپ کی حیثیت رکھتی ہے اور نہ کوئی اس سے پہلے ہے جسے اس کے باپ کی حیثیت حاصل ہوتا کہ انسانوں پر یہ ہمیشہ واضح رہے کہ تمام خلق عدم سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ وہ اکیلی ذات ہے، اس کا کوئی ہم سر اور مثیل نہیں ہے تاکہ اسے مخلوقات ہی کی طرح کا وجود سمجھ کر اس کے بارے میں وہ سوالات پیدا نہ ہوں جو مخلوقات کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح ان معتقدات کی یاد اس نوع کے سوالات کی بے وقعتی کو ہمارے لیے واضح کر دیتی ہے۔ چنانچہ ہم ایمان کے بارے میں اپنے ذہنی اطمینان کو دوبارہ بحال کر لیتے ہیں۔ دوسرا جز استعاذہ سے متعلق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنی باگ اپنے پروردگار کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ شیاطین سے مقابلے کے لیے انسان اپنے پروردگار کی رحمت اور مدد کا محتاج ہے۔ یہ حقیقت اس کی زبان سے خدا کی پناہ میں جانے کی دعا کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اس کے نتائج دو صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک طرف بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی پناہ میں چلا جاتا ہے۔ خدا کے فرشتے اس کی شیاطین کی دراندازیوں سے حفاظت کرنے لگ جاتے ہیں اور دوسری طرف اس کا نفس ریب و اضطراب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس کو اس اطمینان سے کہیں گہرا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے جو ایک ڈرے ہوئے بچے کو باپ کی آغوش میں حاصل ہوتا ہے۔

اس استعاذہ میں دعا کے ساتھ بائیں طرف تین بار تھوکنے کی ہدایت بھی دی گئی ہے۔ دعا میں شیطان کو رجیم قرار دے کر اس سے جس گریز اور نفرت کو ظاہر کیا گیا ہے، تھوکنے سے اس کی شدت کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ بائیں طرف تھوکنے کی ہدایت دائیں جانب کے اکرام کے باعث ہے۔ اس سے یہ قیاس کرنا درست نہیں ہے کہ شیطان بائیں طرف ہی سے حملہ کرتا ہے۔

قرآنِ مجید میں بھی شیطان کی دراندازیوں سے بچنے کے لیے استعاذہ ہی کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ سورۂ

اعراف میں ہے: 'و اما ینزغنك من الشیطان نزغ فاستعذ باللّٰه' (۷:۲۰۰) ''اگر تمھیں کوئی وسوسہ شیطانی لاحق ہونے لگے تو اللہ سے پناہ طلب کرو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت میں جس طریقے کی تعلیم دی ہے وہ اس عمل کو ایک جامع عمل بنا دیتا ہے۔''

کتابیات

بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ۴۔ مسلم، کتاب الایمان، باب ۶۰۔ ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب ۱۹۔ احمد، مسند انس بن مالک۔ السنن الکبریٰ، ج ۶، ص ۱۶۹۔ السنۃ لابن ابی عاصم، ج ۱، ص ۲۹۴۔ الترغیب والترہیب، ج ۲، ص ۳۰۷۔ عمل الیوم واللیلۃ، ج ۱، ۴۱۹۔ التمہید لابن عبدالبر، ج ۷، ص ۱۴۶۔

سوال پر اصرار

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

عن أنس رضی اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لن یبرح الناس یتساء لون ، حتی یقولوا : هذا اللّٰه خلق كل شیء ، فمن خلق اللّٰه عز و جل ؟ رواه البخاری۔ ولمسلم : قال : قال اللّٰه عز و جل : إن أمتك لا یزالون یقولون : ما كذا ؟ ما كذا ؟ حتی یقولوا : هذا اللّٰه خلق الخلق ، فمن خلق اللّٰه عز و جل ؟ ۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ سوال کرنے سے ہرگز باز نہیں آئیں گے۔ یہاں تک وہ یہ بھی پوچھیں گے کہ یہ اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ یہ متن بخاری کا ہے۔ مسلم کی روایت کے مطابق حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تیری امت سوالات کرتی رہے گی: یہ کیسے ہے؟ یہ کیسے ہے؟ یہاں تک کہ وہ یہ کہہ دیں گے: یہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے

پیدا کیا ہے؟''

لغوی مباحث

لــن یبــرح : 'بــرح'، 'زال' کی طرح حرف نفی کے ساتھ دوام کے معنی میں آتا ہے۔اور اس میں تسلسل کے ساتھ ساتھ لازماً واقع ہوتے رہنے کے معنی بھی پیدا ہو گئے ہیں۔

ما کذا ما کذا : یہ سوال سوالات کے تسلسل کو ظاہر کرنے کے لیے دہرایا گیا ہے۔اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ سوال کئی بار سامنے آئے گا۔یعنی شیطان بار بار نفسِ انسانی کو ذاتِ باری کے بارے میں وساوس میں مبتلا کرے گا۔

'هـذا الله خـلق کل شیء' :اس جملے کی دو نحوی تراکیب ممکن ہیں۔ایک یہ کہ 'هذا' کو مبتدا قرار دیا جائے اور لفظ جلالت کو خبر اور اس کے بعد واقع 'خـلـق کـل شـیء' کو مقدر 'قـد' کے ساتھ حال لیا جائے۔ دوسری ترکیب میں مبتدا تو 'هذا' ہی ہے۔البتہ لفظ جلالت اس کا عطف بیان ہے اور 'خـلـق کـل شـیء'، 'هذا' کی خبر۔ہم نے سیاق وسباق کی روشنی میں اسی دوسری ترکیب کو ترجیح دی ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

متون

یہ روایت سابقہ روایت ہی کا ایک دوسرا متن ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ وہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ روایت حضرت انس بن مالک کی نسبت سے بیان ہوئی ہے۔اُس روایت میں جس سوال کا ذکر ہمیشہ پیدا ہوتے رہنے یا پوچھے جانے والے سوال کی حیثیت سے کیا گیا ہے۔اِس روایت میں وہی سوال: ''لوگ اس سوال سے باز نہیں آئیں گے'' کے الفاظ کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

معنی

یہ روایت اپنے اسلوب کے اعتبار سے ایک خبر پر مشتمل ہے۔اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمان اس سوال سے دوچار ہوتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے۔یہ شیطان کے کارگر ہتھیاروں میں سے ایک ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو خدا کے بارے میں ریب وگمان میں مبتلا کر دے۔دین پر عمل اور اس پر استقامت کے لیے اپنے ایمان پر کامل اطمینان بھی ایک ضروری امر ہے۔لہٰذا شیطان کے اہداف میں سے ایک ہدف یہ بھی

ہے کہ وہ اہلِ ایمان کو اس طمانیت سے محروم کر دے۔ چنانچہ اس روایت میں اس سوال کے فتنے سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔

اس روایت سے متعلق دوسرے مباحث اوپر کی روایت میں زیر بحث آ چکے ہیں۔ لہٰذا ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں۔

کتابیات

بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ۴۔ الایمان لابن مندہ، ج ۱، ص ۴۸۳۔ الادب المفرد، ج ۱، ص ۴۳۷۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جاوید احمد غامدی

قانونِ جہاد

(۶)

اس کے علاوہ جو ہدایات قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ جنگ کے لیے نکلتے وقت تکبر اور نمایش کا رویہ اختیار نہ کیا جائے۔ سورۂ انفال میں قرآن نے جہاں مسلمانوں کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ اس طرح کے موقعوں پر اللہ کو بہت یاد کریں، وہاں یہ نصیحت بھی کی ہے کہ وہ اُن لوگوں کی روش اختیار نہ کریں جو اپنی کثرتِ تعداد اور اسباب ووسائل کی بہتات کا غرور دکھاتے ہوئے جنگ کے لیے نکلتے ہیں۔ فرمایا ہے کہ یہ طنطنہ اور طمطراق کسی بندۂ مومن کے شایانِ شان نہیں ہے۔ رزم ہو یا بزم خدا کے بندوں پر عبدیت کی تواضع اور فروتنی ہر حال میں نمایاں رہنی چاہیے، اس لیے کہ اُن کی جنگ محض جنگ نہیں، بلکہ اللہ کی عبادت ہے اور ضروری ہے کہ اس کی یہ شان ہر جگہ قائم رہے:

وَلَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ. (۸:۴۷)

''اور ان لوگوں کی طرح نہ بننا جو اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے اور جن کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے رستے سے روکتے ہیں، دراں حالیکہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

۲۔ وہ لوگ جو جنگ کے موقع پر کسی وجہ سے غیر جانب دار رہنا چاہتے ہوں، ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کیا جائے۔ سورۂ نساء میں اُن مسلمانوں کا معاملہ زیر بحث آیا ہے جو اپنی کمزوری اور پست ہمتی کی وجہ سے نہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے تیار تھے اور نہ مسلمانوں میں شامل ہو کر اپنی قوم سے

لڑنے کے لیے تیار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں ہونا چاہیے:

اَوْ جَآءُ وْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ، وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ، فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ، فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلاً. (۴:۹۰)

''یا وہ لوگ جو اس طرح تمھارے پاس آئیں کہ نہ تم سے لڑنے کی ہمت پا رہے ہوں نہ اپنی قوم سے، اور (ایسے ہیں کہ) اگر اللہ چاہتا تو تم کو ان پر دلیر کر دیتا اور وہ تم سے لڑتے۔ لہٰذا وہ اگر الگ رہیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمھاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ تمھیں ان کے خلاف کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتا۔''

۳۔ اُن لوگوں کو قتل نہ کیا جائے جو عقلاً و عرفاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا نہیں لیا کرتے۔ عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ جنگ کے موقع پر جب یہ معلوم ہوا کہ ایک عورت قتل کر دی گئی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے لوگوں کو سختی کے ساتھ منع کر دیا۔[۲۴]

۴۔ دشمن کو آگ میں جلا کر نہ مارا جائے۔ ابوہریرہ نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہم لوگوں کو لڑائی پر جانے کا حکم دیا تو ہدایت کی کہ فلاں فلاں دو آدمی ملیں تو انھیں جلا دینا، مگر جب ہم روانہ ہونے لگے تو ب کر فرمایا: میں نے تمھیں حکم دیا تھا کہ فلاں اور فلاں کو آگ میں جلا دینا، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آگ کا عذاب صرف اللہ ہی دے سکتا ہے، اس لیے اگر یہ لوگ تمھیں ملیں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔[۲۵]

۵۔ لوٹ مار نہ کی جائے۔ عبداللہ بن یزید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ دشمن کے ملک میں پیش قدمی کرتے ہوئے عام لوگوں کی کوئی چیز چھین لی جائے۔[۲۶] ایک انصاری کی روایت ہے کہ جہاد کے سفر میں ایک مرتبہ اہل لشکر نے شدید ضرورت کے تحت کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا: لوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے۔[۲۷]

۲۴۔ بخاری، رقم ۳۰۱۵۔

۲۵۔ بخاری، رقم ۳۰۱۶۔

۲۶۔ بخاری، رقم ۲۴۷۴۔

۲۷۔ ابوداؤد، رقم ۲۷۰۵۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۶۔مثلہ نہ کیا جائے۔ بریدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجوں کو بھیجتے وقت جو ہدایت دیا کرتے تھے، اُن میں یہ بات بھی بڑی تاکید کے ساتھ فرماتے تھے کہ لاشوں کی بے حرمتی اور اُن کے اعضا کی قطع و برید نہیں ہونی چاہیے۔[۲۸]

۷۔راستے تنگ نہ کیے جائیں۔ معاذ بن انس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جہاد کے لیے نکلا تو دیکھا کہ لوگوں نے اترنے کی جگہ تنگ کر رکھی ہے اور راہ گیروں کو لوٹ رہے ہیں۔ حضور کے پاس اس کی شکایت پہنچی تو آپ نے فوراً منادی کرادی کہ جو اترنے کی جگہ تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا، اس کا کوئی جہاد نہیں ہے۔[۲۹]

(باقی)

---

[۲۸] ابوداؤد، رقم ۲۶۱۳۔

[۲۹] ابوداؤد، رقم ۲۶۲۹۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی/محمد راشد

۹ فروری ۲۰۰۱ اور ۲ مارچ ۲۰۰۱ کو مدیر 'اشراق' نے لاہور میں اپنے ہفتہ وار درسِ قرآن و حدیث کے بعد مختلف سوالات کے جوابات دیے۔ ذیل میں چند سوالات و جوابات کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ اسے محمد راشد صاحب نے مرتب کیا ہے۔ (ادارہ)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

بت شکنی

سوال: اسلام میں ہے کہ کسی کے دین کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ میں امریکہ میں تھا وہاں ایک مسلمان سے بات ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ پھر محمود غزنوی نے دہلی پر ے ابار حملہ کر کے ان کے مندر کیوں لوٹے۔ پھر اس نے کہا کہ حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑ کر بت پرستوں کا دل کیوں دکھایا۔ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: دیکھیے، ہر بات کا ایک موقع و محل ہوتا ہے۔ ''برا نہیں کہنا چاہیے'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ دوسروں کو گالیاں نہ دیں۔ سب وشتم نہ کریں۔ اپنی زبان پر لغویات نہ آنے دیں۔ ایک برا کہنا یہ ہے کہ آپ یہ بتاتے ہیں کہ بت پرستی ایک بہت بڑا گناہ ہے یا یہ چیز شرک ہے تو یہ برا کہنا نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقت کا ادراک کرانا ہے۔ یہ بات تو دعوت دینے والا، تبلیغ کرنے والا، تعلیم دینے والا کہے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بت توڑے تو انھوں نے دراصل اپنی بت پرست قوم کو ان کی بیوقوفی اور حماقت پر متنبہ کرنے کے لیے ایک طریقہ اختیار کیا، پھر انھوں نے ایک قبائلی معاشرت میں یہ طریقہ اختیار کیا، قرآنِ مجید میں آپ اس کی تفصیل پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ یہ طریقہ بڑا موثر ہو گیا۔ جہاں تک محمود غزنوی کا

تعلق ہے تو وہ جو کرتے رہے ہیں، اس کی کوئی ذمہ داری اسلام پر عائد ہوتی ہے اور نہ اس کے لیے اسلام کو مسئول ٹھیرانا چاہیے۔

بارش کا نہ ہونا

سوال: بارش نہ ہونے کی اصل وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

جواب: بارش اللہ کی رحمت ہے، جس پر انسانی زندگی منحصر ہے۔ پھل، پھول، اناج اسی سے پروان چڑھتے ہیں اور فضا میں موجود کثافتیں اور بیماریاں اسی سے دور ہوتی ہیں۔

قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب یہ رحمت روک لیتے ہیں تو اصل میں یہ لوگوں کے گناہوں کی سزا ہوتی ہے۔ ایسے موقعوں پر اللہ سے مغفرت طلب کرنی چاہیے۔ اس معاملے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسوہ ہمارے سامنے ہے۔ جب کبھی ان کے دورِ حکومت میں ایسی صورتِ حال پیدا ہوئی تو وہ باہر نکلے اور دعا فرمائی: اے پروردگار، ہم کو معاف کر دے۔

لہٰذا ہمیں بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔ اور اس کے بعد امید کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے اور اپنی رحمت کی بارش برسائیں گے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

فتویٰ پر پابندی

سوال: ایک عالمِ دین کے فتویٰ دینے پر تنقید کیوں کی جاتی ہے، حالانکہ فتوے کا لفظ رائے کے مفہوم میں بھی بولا جاتا ہے؟

جواب: فتوی کے دو پہلو ہیں: ایک چیز تو یہ ہے کہ آپ دین کی کوئی بات پوچھتے ہیں: مثلاً آپ یہ پوچھتے ہیں کہ دین میں طلاق دینے کا کیا طریقہ ہے یا آپ یہ پوچھتے ہیں کہ شرک کیا ہوتا ہے۔ تو یہ بات عالمِ دین ہی بتائے گا۔ آپ اسی سے پوچھیں گے، حتیٰ کہ ریاست کو بھی اگر یہ مسئلہ درپیش ہو تو وہ عالمِ دین ہی سے پوچھے گی اور ایک عالمِ دین ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دین کے کسی معاملے میں اپنی رائے دے۔ اس کے اس حق پر کوئی

قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔

ایک چیز یہ کہ آپ محض رائے نہیں پوچھ رہے، بلکہ کسی دوسرے آدمی پر اس رائے کا اطلاق کر رہے ہیں۔ یعنی آپ یہ بات پوچھتے ہیں کہ اس مرد و عورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ یا آپ یہ بات پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص مشرک ہوگیا یا نہیں؟ تو اس معاملے میں کسی عالم کو نہیں چاہیے کہ وہ اپنا نقطۂ نظر بیان کرے۔ یعنی قانون نافذ کرنے کا کام علما نہیں کریں گے۔ ایسے معاملات کو بہرحال عدالت کے پاس جانا ہے اور عدالت ہی کو ایسے معاملات کا فیصلہ کرنا ہے۔ البتہ نکاح و طلاق کے معاملے میں اگر عالمِ دین کو باقاعدہ ثالث بنایا جائے تو وہ طلاق واقع ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ دے سکتا ہے۔

زوالِ امت کا سبب

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سوال: اس امت کے زوال کا حقیقی سبب کیا ہے؟ موجودہ حالات میں ایک عام آدمی کو حکومت اور اپنے معاشرے میں کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے، جبکہ حالات دن بدن خراب ہو رہے ہیں؟

جواب: امتِ مسلمہ کے زوال کے سبب دو ہیں: ایک یہ کہ اس کا علم و عمل پچھلے ایک ہزار سال سے بتدریج قرآنِ مجید سے غیر متعلق ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ امت میں جو لوگ ذہین تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی علمی صلاحیتیں دی تھیں، وہ بجائے اس کے کہ سائنسی علوم کو اپنا موضوع بناتے، انھوں نے فلسفے اور تصوف کو اپنا موضوع بنایا۔ اور یہ دونوں ہی بے معنی چیزیں تھیں۔ حقیقت میں یہی امت کے زوال کا سبب ہے۔

آج اس امت کی حالت بہتر کرنی ہے تو دو کام کرنے ہوں گے: ایک یہ کہ امت کو قرآنِ مجید کے معاملے میں ایجوکیٹ کیا جائے۔ یہاں تک کہ ہمارے علم و عمل پر قرآنِ مجید کی حکومت قائم ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ امتِ مسلمہ کو دنیوی علوم اور خاص طور پر سائنسی علوم کے حصول کی ترغیب دی جائے۔ اصل میں انھی امور سے غفلت برتی گئی تو ہماری امت پر زوال آیا ہے اور انھی امور کی جانب توجہ کی جائے گی تو ان شاء اللہ بہتری ہوگی۔

دعوت میں حکمت

سوال: میری بیوی کے ناخن بہت لمبے ہیں۔ میں نے کئی مرتبہ ان سے کہا کہ ان کو کاٹ دو، لیکن وہ کہتی ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو، لیکن میں ناخن ہرگز نہیں کاٹوں گی؟

جواب: دیکھیے یہ بات صحیح ہے کہ بڑے ناخن رکھنا دین وشریعت میں جائز نہیں ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن ایک غلط کام ہو رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کوئی سخت رویہ اختیار کریں۔ آپ اپنی بات سلیقے کے ساتھ، محبت کے ساتھ کہتے رہیں۔ یہ رویہ مناسب نہیں ہے کہ آپ ہر وقت یہی بات کرتے رہیں، جب موزوں موقع دیکھیں، تب بات کریں۔ اگر محسوس ہو کہ اس طرح سے بات سمجھ میں نہیں آ رہی تو ان کے اندر دین کا عام ذوق پیدا کیجیے۔ انھیں قرآن سے متعلق کیجیے۔ پیغمبر سے متعلق کیجیے۔ پھر آپ سے آپ دین کے اثرات ہوں گے۔

ایک بات بہت اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہمارے ہاں لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جہاں غلطی ہو رہی ہے، اسے براہِ راست نشانہ بنایا جائے، جبکہ انسان کی نفسیات ایسی ہے کہ بعض اوقات یہ چیز منفی اثرات پیدا کرتی ہے۔ لہٰذا اس وقت آپ اصلاح کا بالواسطہ طریقہ اختیار کریں۔ اپنے مخاطب کا ذوق، مزاج اور اس کے رجحانات کو بدلنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد یہ خامیاں آپ سے آپ درست ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دعوت کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ حکمت و دانائی اور دانش مندی کے ساتھ بات کریں۔ اپنی اہلیہ کے ساتھ صحیح رویہ اختیار کر کے اس کے لیے اصلاح کے مواقع پیدا کریں۔

دفاع میں جہاد

سوال: کیا یہ درست ہے کہ مولانا وحید الدین خاں صاحب جہاد کے خلاف ہیں؟ آپ کا اس بارے میں کیا نقطۂ نظر ہے؟

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جواب: جہاد کے بارے میں مولانا کا ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ جہاد صرف دفاع کے لیے ہوتا ہے، اپنے اس نقطۂ نظر کے حق میں انھوں نے دلائل دیے ہیں، انھیں پڑھ لیجیے، ہوسکتا ہے کہ آپ کا اطمینان ہو جائے۔ میرا ان کے استدلال پر اطمینان نہیں ہوسکا۔

اس حوالے سے میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دفاع کے لیے جنگ سرے سے دین کا موضوع ہی نہیں ہے۔ یہ تو فطرت کا تقاضا ہے۔ جب کوئی آدمی مجھ پر چڑھ دوڑے گا تو میرا یہ فطری حق ہے کہ میں اپنا دفاع کروں۔ اس معاملے میں دین وشریعت کو کوئی حکم دینے کی ضرورت ہی نہیں۔

دین میں تو ظلم وعدوان کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہیں انسانوں پر ظلم ڈھایا جا رہا ہو، ان پر زیادتی کی جا رہی ہو، اور خاص طور پر انھیں دین پر عمل کرنے سے روکا جا رہا ہو، دین پر عمل کرنا ان کے لیے جان جوکھم کا کام بنا دیا گیا ہو تو یہ فتنہ ہے، اس فتنے کے استیصال کے لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ دفاع کے طریقے پر بھی ہوسکتا ہے اور کسی پر حملہ کرکے بھی ہوسکتا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

لباس اور شریعت

سوال: لباس میں دین وشریعت کے اعتبار سے کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، کیا پینٹ شرٹ پہننا جائز ہے؟

جواب: لباس ہر شخص اپنے معاشرے اور علاقے کے اعتبار سے پہنتا ہے۔ لباس کے معاملے میں صرف اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ لباس باوقار اور باحیا ہو۔ آپ پتلون پہنیں، شلوار پہنیں، تہمت باندھیں یا کوئی اور لباس پہنیں، اس کو باحیا ہونا چاہیے۔ یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ حیا اسلام کی اقدار میں بہت بڑی قدر ہے۔

قارئینِ ''اشراق'' کے خطوط و

سوالات پر مبنی جوابات کا سلسلہ

مردوں کا سننا

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سوال: سماعِ موتیٰ کے متعلق احادیث کیا صحیح ہیں؟ جبکہ قرآنِ مجید میں صاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: 'لا تسمع الموتٰی'۔ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: سماعِ موتیٰ سے متعلق روایات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو باتیں بیان ہوئی ہیں: ایک یہ کہ جب تم مردے کو دفن کر کے جاتے ہو تو وہ تمھارے قدموں کی چاپ بھی سنتے ہیں۔ پھر ان کے پاس فرشتے آتے ہیں اور ان سے سوالات کرتے ہیں۔ دوسرا واقعہ مقتولینِ بدر سے متعلق ہے جس میں آپ نے ان سے کہا کہ کیا تم نے وہ وعدہ دیکھ لیا جو تمھارے بارے میں بیان کیا گیا تھا۔

جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے، وہ عالمِ برزخ سے متعلق ہے۔ برزخی زندگی کیا خصوصیات رکھتی ہے؟ اس کے بارے میں ہماری معلومات قرآن و حدیث تک محدود ہیں۔ اس معاملے میں حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس کے متعلق ہم قرآن کی روشنی میں نفیاً یا اثباتاً کوئی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ حدیث کا پہلا جز بظاہر قرآنِ مجید کے خلاف ہی لگتا ہے۔

البتہ دوسری روایت حضرت عائشہ کے سامنے جب بیان ہوئی تو انھوں نے اس میں بیان کیے گئے سماع کے پہلو کی نفی کر دی۔ حضرت عائشہ کے اس بیان سے مردوں کے سننے کی کامل نفی ہو جاتی ہے۔ اس نفی کے بعد سماعِ موتیٰ کے حق میں کوئی بات پیش کرنا محض جسارت ہے۔ (طالب محسن)

موسیقی کی حرمت

سوال: آپ کی رائے میں موسیقی مطلقاً حرام نہیں ہے۔ حالانکہ سورۂ لقمان کی آیت: ٦ میں 'لهو الحديث' سے اس کی وضاحت کی گئی ہے۔'لھو' ایک وسیع معنی رکھنے والی اصطلاح ہے۔طرطوسی نے ''تاج العروس'' میں اس سے وہ لذت مراد لی ہے جو ناپائدار ہو اور انسان کی توجہ اہم کاموں سے ہٹا کر غیر اہم کاموں کی طرف منعطف کر دے یا ایسے کاموں میں لگا دے جو عبث ہوں۔ امام راغب نے ''المفردات'' میں بھی اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا ہے۔سورۂ انبیا میں اس کیفیت کو 'لاهية قلوبهم' سے تعبیر کیا گیا ہے۔گویا ہر وہ کام جو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہو، خواہ وہ موسیقی ہو، دولت جمع کرنے کی دوڑ ہو، بے مقصد ادب یا شاعری ہو، ممنوع ہے؟ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: موسیقی کے بارے میں حلت وحرمت کی بحث بعض روایات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔سوال یہ ہے کہ موسیقی کوئی ایسی چیز نہیں جو عربوں کے لیے اجنبی ہو۔ ہزاروں سال سے لوگ موسیقی کی مختلف صورتوں سے لطف اندوز ہوتے آ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بائبل میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ وہ بربط بجاتے ہوئے مزامیر پڑھتے تھے۔اسی طرح مسیحی عبادت گاہوں میں بھی موسیقی کے ساتھ مناجات پڑھنے کا رواج بہت قدیم ہے۔قرآنِ مجید کے نزول سے پہلے کے اس مذہبی پس منظر کے باوجود قرآنِ مجید اس معاملے میں بالکل خاموش ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موسیقی کے بارے میں روایت کیے گئے ارشادات کسی خاص سیاق وسباق سے متعلق ہیں۔

قرآنِ مجید میں 'لهو الحديث' کے الفاظ کا موسیقی پر اطلاق محض ایک استنباط ہے اور اس اصول کے تحت بہت سے کھیلوں، رسوم، فنون کو ممنوع قرار دیا جا سکتا ہے۔ظاہر ہے، اگر ایسا کر دیا جائے تو انسانی تمدن سکڑ کر رہ جائے گا۔ہم دین کی حرمتوں اور ناپسندیدہ امور کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت پوری طرح متعین ہو جاتی ہے کہ ان احکام کے پس منظر میں اخلاق وعقیدے کی کوئی خرابی موجود ہے۔ دین کی اسی حکمت کا اطلاق فنونِ لطیفہ اور دوسرے ثقافتی امور پر کیا جائے گا اور ان کی ہر وہ صورت ممنوع یا ناپسندیدہ قرار دے دی جائے گی جو اخلاق یا عقائد میں قباحت کا باعث بن رہی ہو۔اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کا اصول بھی محلِ نظر ہے۔ ذرا تأمل کریں تو یہ

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

واضح ہو جاتا ہے کہ تعبدی امور کے سوا ہر عمل میں خدا سے غافل کر دینے کا باعث بننے کی اہلیت ہے۔ چنانچہ اس کا علاج نماز اور قرآنِ مجید سے تعلق سے کیا گیا ہے۔اس کے باعث کسی شے کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔

(طالب محسن)

زکوٰۃ

سوال: میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ میں اپنی پرائیویٹ پریکٹس کرتا ہوں۔ میری آمدنی فیس کی شکل میں ہوتی ہے۔اس معاملے میں کیا زکوٰۃ میری آمدنی پر لاگو ہوگی یا میری بچت پر؟ اسی طرح میرے ایک دوست ہیں۔ان کی تنخواہ سات ہزار روپے ماہانہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے اخراجات میری آمدنی سے بہت زیادہ ہیں۔ مہینے کے آخر میں مجھے قرض لینا پڑتا ہے۔ میں تو خود کو زکوٰۃ کا مستحق سمجھتا ہوں۔ایسے شخص کی آمدنی پر زکوٰۃ لاگو ہوگی یا نہیں؟ (ڈاکٹر خالد جمیل، سرگودھا)

جواب: اپنا کلینک ہونے کی وجہ سے آپ کی فیس پر نصف عشر یعنی تمام آمدنی پر پانچ فی صد زکوٰۃ عائد ہوگی۔آپ حکومت کے ٹیکسز کو اس سے منہا کر کے باقی رقم ضرورت مندوں کو دے سکتے ہیں۔

سات ہزار روپے تنخواہ کی صورت میں حکومت کے استثنا کو معیار مانا جائے گا۔حکومت نے جتنی سالانہ آمدنی کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اگر اس کے بعد کچھ رقم بچ جائے تو اس پر عشر یعنی دس فی صد زکوٰۃ عائد ہوگی۔ (طالب محسن)

اتحادِ امت

سوال: کیا امتِ مسلمہ میں تفسیری اور تعبیری اختلافات، روایت پرستی، فقہی استیلا، عصبیتِ جاہلی، تصوف کا غلبہ؛ اس پر مستزاد امت کی اکثریت کی بے شعوری و بے عملی؛ یہ تمام قباحتیں ہوتے ہوئے اتحادِ امت کی توقع کی جا سکتی ہے؟ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہو تو براہِ کرام عملی تجاویز سے نوازیں؟ (منظور حسین، وہاڑی)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جواب: اتحادِ امت کا لفظ، اگر امت کے سیاسی اتحاد کے لیے بولا گیا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک کو اپنی جغرافیائی حدود میں اپنے کلچر اور اپنے الگ قانونی نظام کے تحت زندگی گزارنے کی اجازت دے دی جائے اور مرکزی نظام کا دائرہ صرف دفاع اور خارجہ پالیسی تک محدود رہے۔ امید یہی ہے کہ ان خطوط پر اگر رائے عامہ ہموار کی جائے تو اس اتحاد کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

اور اگر ''اتحاد'' کا لفظ مذہبی اتحاد کے لیے بولا گیا ہے تو یہ ایک غیر فطری تقاضا ہے۔ جب تک انسان کو فکر و عمل کی آزادی حاصل ہے، اسے کسی ایک نقطۂ نظر پر جمع کرنا ممکن نہیں ہے اور اسلام میں کسی حکومت کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ سب کو جبراً ایک فقہی یا کلامی رائے کا پابند بنا دے۔ البتہ قانون جس کا دائرہ اجتماعی معاملات تک محدود ہے سب کے لیے یکساں ہوگا۔ (طالب محسن)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نماز میں تاخیر

سوال: اکثر اوقات نمازِ ظہر ادا کرنے میں تاخیر ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ عصر کا وقت قریب آ جاتا ہے۔ اس صورت میں دونوں نمازیں بیک وقت ادا کی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

(بدر السلام اسد، لالہ موسیٰ)

جواب: اگر اس تاخیر کی وجہ محض سستی یا لاپروائی ہے تو پھر نماز جمع کرنے کی رخصت نہیں ہے۔ آپ کی نماز اگر وقت گزر گیا ہے تو قضا ہو چکی ہے۔ اب آپ قضا نماز ہی پڑھیں گے۔ اگر اس کا باعث کوئی واقعی عذر ہے تو پھر نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں۔ (طالب محسن)

قربانی کرنا اور بال ناخن نہ کٹوانا

سوال: ایامِ حج میں حرمِ مکہ کے علاوہ جانوروں کی قربانی، بال ناخن نہ کٹوانے کا جو طریقہ رائج ہے، براہِ کرم قرآن وسنت کی روشنی اور اس کا منشا واضح فرمائیں؟ (منظور حسین، وہاڑی)

جواب: قربانی ایک نفلی عبادت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں حج کے علاوہ بھی قربانی کی ہے۔

تمام فقہی گروہ اس قربانی کے معاملے میں متفق ہیں۔ اس لیے اس کے ایک اسلامی عبادت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ عبادت اللہ کے حضور میں اپنی جان اور اپنے مال کا نذرانہ پیش کرنے کے جذبے کا علامتی اظہار ہے۔

باقی رہا ناخن کاٹنے اور بال تراشنے سے روکنے کا مسئلہ تو یہ قدیم سے مختلف فیہ ہے۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں تھے۔ مزید یہ کہ یہ روایات موطا کے ساتھ بخاری میں بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سعید بن مسیّب جن سے یہ روایت مروی ہے خود اس کے خلاف عمل کرتے تھے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک ابوحنیفہ اور امام مالک کی رائے ہی درست ہے۔ (طالب محسن)

کافر اور غیر مسلم

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سوال: اہلِ کتاب کو کافر کہنا درست ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت ۷۲ میں عیسائیوں کے عقیدہ کو کفر سے تعبیر کیا ہے؟ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے۔ یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب ہمارا کام یہی ہے کہ ہم مختلف گروہوں کے عقیدہ و عمل کی غلطی واضح کریں اور جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو نہیں مانتے، انھیں بس غیر مسلم سمجھیں اور ان کے کفر کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔ (طالب محسن)

امن اور جنگ

سوال: اگر جنگ فیصلہ کن مرحلے میں ہو اور دشمن اپنے آپ کو بچانے اور مسلمانوں کو دھوکا دے کر انھیں شکست دینے کے لیے صلح کا پیغام بھیجے تو کیا مسلمانوں کو اس پیغام کو قبول کر لینا چاہیے؟ سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم صلح کا پیغام قبول کر لو جبکہ اس کے برعکس سورۂ انفال کی آیت ۵۸ میں فرماتا ہے کہ ''اگر تمھیں کسی قوم سے دغا بازی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو۔'' سورۂ انفال کی آیت ۶۱ میں اگلے اجزا میں ہے کہ ''اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی

طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو۔'' (محمد صفتین ، راولپنڈی)

جواب : دینِ اسلام صلح اور امن کو جنگ پر ترجیح دیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہر موقع سے فائدہ اٹھایا اور جنگ سے گریز کے طریقے ہی کو اختیار کیے رکھا۔ قرآنِ مجید کی جن آیات کا آپ نے حوالہ دیا ہے ان سے بھی یہی بات سامنے آتی ہے۔ البتہ یہ ترجیح اسی شرط کے ساتھ ہے کہ اس سے امن حاصل ہو۔ اگر دشمن کی طرف سے اس کے پیچھے کوئی چال ہو تو اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر جنگ جاری رکھنا ناگزیر ہو تو جنگ جاری رکھی جائے گی ، لیکن یہ فیصلہ محض اندیشے کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے اس کے پیچھے قوی دلائل ہونے چاہییں ۔ سورۂ انفال کی آیت میں '' اللہ پر بھروسا رکھو'' کے الفاظ محض اندیشوں کی بنا پر امن سے گریز سے روکنے ہی کے لیے ہیں۔ (طالب محسن)

دوسری اذان اور بدعت

سوال : دین میں کوئی ایسی چیز شامل کرنا جو اس کا حصہ نہ ہو بدعت کہلاتا ہے۔ اس تعریف کے مطابق حضرت عثمان کا خطبہ کے دن دوسری اذان کا اضافہ بدعت نہیں کہلائے گا؟

(محمد صفتین ، راولپنڈی)

جواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام سمجھنے میں لوگوں کو مشکل پیش آئی ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے تک مدینے کے اطراف میں بہت سے نئے مکانات بن گئے تھے۔ آبادی کے اس حصے کو اذان کی آواز نہیں پہنچتی تھی۔ چنانچہ لوگوں کو مسجد میں بروقت آنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا علاج یہ کیا کہ ایک مؤذن کو بازار کے ایک مقام پر اذان دینے پر مامور کر دیا۔ یہ اذان مسجد کی اذان سے اتنا وقت پہلے ہوتی تھی کہ لوگ جب مسجد میں آئیں تو مسجد میں اذان ہو رہی ہو۔ اس اعتبار سے دیکھیں تو یہ ایک ہی اذان ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے نماز کے بڑے اجتماعات میں مکبر امام کے اللہ اکبر کے کلمے کو دہرا کر پیچھے آواز پہنچاتے ہیں ۔ لاؤڈ اسپیکر کی ایجاد کے بعد ان دونوں اعمال کی ضرورت نہیں رہی ۔ اب ایک ہی جگہ سے دی گئی اذان اور صرف امام کی آواز سب تک آسانی سے پہنچ جاتی ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

خروج اور اقتدار

سوال: کیا جہاد کی طرح خروج کے لیے بھی اقتدار شرط ہے؟ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: خروج سے مراد یہ ہے کہ کسی اقتدار پر فائز گروہ کو بزورِ بازو اقتدار سے الگ کر دیا جائے اور اس کی جگہ خود اقتدار سنبھال لیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ راستہ اسی جگہ اختیار کیا جائے گا جہاں انتقالِ اقتدار کی کوئی پر امن صورت اختیار نہ کی جا سکتی ہو۔ یہ عمل اگر دین کی خاطر کیا جا رہا ہو تو یہ جنگ جہاد ہی ہو گی۔ مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کے نزدیک انبیا علیہ السلام کے طریقِ کار سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ خروج کی صورت میں بھی جہاد کے لیے لگائی گئی اقتدار کی شرط قائم رہے گی۔ یعنی اس گروہ کو پہلے کسی خطے میں خود مختار حکومت قائم کرنا پڑے گی۔ اس کے بعد ہی وہ جنگ کر سکے گا۔ واضح رہے کہ خروج کی بنیادی شرائط کے مطابق لازم ہے کہ جس گروہ کے خلاف خروج کیا جا رہا ہو، اس نے استبدادی نظام قائم کر رکھا ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ قرآنِ مجید کی صریح نصوص سے انحراف کا مرتکب ہوا ہو۔ تیسرے یہ کہ جو گروہ خروج کے لیے نکلے اس کی پشت پر قوم کی غالب اکثریت ہو۔ اور جنگ سے پہلے لازم ہے کہ اس گروہ نے پہلے کسی خطے میں اپنی آزاد ریاست قائم کر لی ہو۔ (طالب محسن)

تین طلاقیں

سوال: کیا طلاقِ بدعت واقع ہو جاتی ہے؟ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شمار کیا ہے۔ ایسی روایات کی توجیہ کیا ہے؟

(محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: بعض روایات میں یہ چیز ایک معمول کے عمل کی حیثیت سے روایت ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ہی موقع پر دی گئی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق قرار دیتے تھے۔ لیکن بعض روایات میں اس طرح کے ایک مقدمے کی روداد کا کچھ حصہ بھی نقل ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طلاق دینے والے کے ارادے کے بارے میں تحقیق کرتے تھے۔ اس واقعہ کے مطابق طلاق دینے والے کا ارادہ ایک ہی طلاق دینے کا تھا، چنانچہ آپ نے اسے ایک ہی طلاق قرار دیا۔ طلاق کا اصل طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی طلاق دی جائے۔ عدت کا عرصہ مطلقہ اپنے شوہر کے گھر میں رہے۔ اگر صلح کی صورت پیدا ہو تو مرد رجوع کر لے، اگر نہ ہو تو عدت گزرنے کے ساتھ ہی عورت دوسری جگہ شادی کے لیے آزاد ہو گی۔ اس کے خلاف عمل کی صورت میں یہ ایک قضیہ ہے۔ اس کا فیصلہ قاضی کرے گا۔ وہ قرائن و شواہد اور فریقین کے بیانات کی روشنی میں فیصلہ دے گا کہ طلاق واقع کی جا سکتی ہے یا نہیں اور اسے ایک قرار دیا جائے گا یا ایک سے زیادہ۔ (طالب محسن)

وتر

سوال: آپ کی رائے میں وتر نمازِ تہجد ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو سنتوں (نوافل) اور وتر کی نماز پر اتنا زور کیوں دیا ہے اور حضرت ابوہریرہ سے یہ کیوں فرمایا کہ وتر کی نماز پڑھ کر سونا؟ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: وتر تہجد ہے اور اس کی حیثیت ایک نفل نماز کی ہے۔ اس نماز کا اصل وقت طلوعِ فجر سے پہلے کا ہے۔ البتہ اس کے بارے میں اجازت ہے کہ اگر اس وقت اٹھ کر پڑھنا ممکن نہ ہو تو عشا کے ساتھ پڑھ لی جائے۔ بعض نفل نمازیں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تاکید بھی کی ہے۔ تاکید سے ان نوافل کی قدر و قیمت واضح ہوتی ہے اور اس سے ان کا زیادہ باعثِ اجر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (طالب محسن)

نکاح اور ولی کی رضامندی

سوال: ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ (محمد صفتین، راولپنڈی)

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

جواب : ایک عاقل و بالغ مرد وعورت کے نکاح کے انعقاد کے لیے ولی کی رضا مندی قانونی شرط کی حیثیت نہیں رکھتی، لیکن اگر اس کی رضا مندی کے ساتھ ایسا ہو تو یہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کے نتیجے میں جو گھر وجود میں آتا ہے اس سے یہ قریبی عزیز شدید طور پر متعلق ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر وہ کسی نکاح پر راضی نہیں ہیں تو یہ چیز نئے جوڑے کے لیے مشکلات کا باعث بن سکتی ہے۔ اسی وجہ سے احادیث میں ولی کی رضا مندی حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ نابالغ کا نکاح ہو جاتا ہے، لیکن جب وہ بالغ ہوں تو انھیں اس نکاح کے ختم کرنے کا پورا اختیار رہتا ہے۔ (طالب محسن)

مہر کی ادائیگی

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

سوال: آپ کی رائے میں مہر کا نکاح کے وقت ادا کرنا ضروری نہیں۔ حالانکہ یہ عورت کا حق ہے اور قرآن وحدیث میں اس کی بروقت ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے؟ (محمد صفتین، راولپنڈی)

جواب: مہر کو نکاح کے موقع پر ادا کرنا ہی اولیٰ ہے، مگر اس کی ادائیگی کو اس موقع پر لازم کرنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بسا اوقات حقیقی اسباب کے تحت اس کا اس موقع پر ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ شاید اسی وجہ سے اس کی ادائیگی کو کسی وقت کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا۔ آپ کی یہ بات بالکل صحیح ہے کہ نکاح کے وقت اسے ادا کرنا، اس کے لیے موزوں ترین وقت ہے اور اس موقع پر ادا کرنے سے اس کی غایت پوری ہوتی ہے۔ اس کی ادائیگی میں تاخیر کی جو رخصت دی گئی ہے، اس سے اس وقت فائدہ اٹھانا چاہیے جب واقعی کوئی مشکل درپیش ہو۔ (طالب محسن)

عمداً کیا گیا شرک

سوال : قرآن میں مختلف مقامات پر مشرک کا جہنمی ہونا واضح کیا گیا ہے۔ اس کے سوا باقی گناہوں کی بخشش کا امکان ہے۔ آپ کے نقطۂ نظر سے صرف وہ مشرک جہنمی ہوں گے جو جان بوجھ کر شرک کریں گے، حالانکہ قرآن میں ایسی شرط نہیں ہے؟ (محمد بلال، مظفر گڑھ)

جواب: یہ درست ہے کہ قرآنِ مجید کے بیان کے مطابق جو مشرک ہوگا، وہ جہنمی ہوگا۔ آپ کا کہنا ہے خواہ وہ عمداً شرک میں مبتلا ہو یا ناواقفی کی بنا پر کسی مشرکانہ عمل کو عین توحید سمجھ کر کر رہا ہو، بہرحال جہنمی ہوگا۔ اگر اِس بات کو درست مان لیا جائے، تو اِس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عمد اور غیر عمد یکساں قرار پاتے ہیں۔ یہ قرآنِ مجید کی صریح نص کے خلاف ہے۔ ارشادِ باری ہے:

وَ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِہٖ وَلٰکِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُکُمْ۔ (الاحزاب ۳۳:۵)

''اور جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی اُس میں تم پر کچھ گناہ نہیں، لیکن جو دل کے ارادے سے کرو اُس پر مؤاخذہ ہے۔''

(محمد رفیع مفتی)

توحید کی تعلیم اور مشرکانہ ماحول

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

سوال: آج کل عام مسلمانوں میں توحید اور شرک خلط ملط ہو گئے ہیں۔ لہٰذا شرک کرنے والوں سے برأت کا اعلان اور اپنا علیحدہ تشخص قائم کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تا کہ دوسرے لوگ بھی دیکھ کر متجسس ہوں۔ ان پر دین سمجھنے کا شوق پیدا ہو۔ تحقیق کا شوق پیدا ہو۔ اس کے لیے علیحدہ نماز کا اہتمام کرنا کہیں دین میں قابلِ اعتراض تو نہیں؟ (محمد بلال، مظفر گڑھ)

جواب: یہ کہنا درست نہیں ہے کہ انسان اِس معاشرے میں جہاں شرک اور توحید ساتھ ساتھ ہیں، توحید کو سمجھ نہیں سکتا۔ توحید کو اگر ذہنی، تصوراتی اور خیالی اعتبار سے سمجھنا پیشِ نظر ہے تو شاید معاملہ مختلف ہو، ورنہ اصل توحید کو حقیقی اور عملی اعتبار سے تو شرک ہی کی فضا میں سمجھا گیا ہے۔ جیسا کہ صحابہ نے سمجھا تھا۔ (محمد رفیع مفتی)

مذہب اور غیرت مندی

سوال: ہمارے ہاں عموماً عزت اور مذہب کے حوالے سے غیرت مندی دکھانا اور موقع پر اقدام کر ڈالنا بہت اچھا سمجھا جاتا ہے۔ دین اس سلسلے میں کیا تصور پیش کرتا ہے؟ (محمد بلال، مظفر گڑھ)

جواب: وہ غیرت مندی جس کا آپ نے ذکر کیا ہے، دراصل اپنے آپ کو محض جذبات کے حوالے کر دینا ہے۔ یہ کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے، کیونکہ جذبات ہمیشہ اندھے ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیں، سب سے بڑا جذبہ، جذبۂ عبودیت ہے، لیکن اِس جذبے کا حامل بھی اگر رسول کے بتائے ہوئے طریق کو علم اور عقل کے ساتھ قدم بہ قدم اختیار نہ کرے، تو یہ پاکیزہ ترین جذبہ بھی انسان کو رہبانیت اور فنا فی اللہ کی وادیوں میں بھٹکائے پھرتا ہے۔ اس لیے معاملہ عزت اور غیرت کا ہو یا مذہب کا، انسان کے لیے ہر صورت میں لازم ہے کہ وہ صرف وہی راستہ اختیار کرے، جس کے بارے میں وہ اپنے پروردگار کو یہ جواب دے سکے کہ میں اِس راستے کو اختیار کرنے کے معاملے میں تیرے اور تیرے رسول کے احکام کو بُھولا نہیں تھا۔ احکام علم سے جانے اور عقل سے سمجھے جاتے ہیں اور اس کے بعد جذبے کے ساتھ ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ (محمد رفیع مفتی)

مشرکینِ مکہ

سوال: قرآن میں ''المشرک'' کا لفظ ایک خاص قوم یعنی مشرکینِ مکہ کے لیے آیا۔ کیا وہ اپنے آپ کو مشرک کہتے تھے؟ کیا وہ حضرت ابراہیم کو بھی مشرک کہتے تھے؟ (محمد بلال، مظفر گڑھ)

جواب: وہ باقاعدہ عقیدۂ شرک کے حامل تھے۔ اور وہ اپنے اس شرک کا اعتراف کرتے تھے۔ وہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی یہ تاثر دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام بھی اُن صفات سے متصف تھے، جنھیں ہم خود اختیار کیے ہوئے ہیں، اسی لیے تو کعبہ کے اندر رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بتوں میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے بت بھی تھے اور ان کے ہاتھوں میں فال کے تیر دکھائے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارا ''کارنامہ'' مشرکینِ مکہ ہی کا تھا۔ (محمد رفیع مفتی)

مال کا کم یا زیادہ ہونا

سوال: زکوٰۃ اور تجارت سے مال کیسے بڑھتا ہے اور سود سے کیسے گھٹتا ہے جبکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے؟ (محمد بلال، مظفر گڑھ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

جواب: قرآنِ مجید کی سورۂ روم میں یہ کہا گیا ہے کہ تمہارا وہ سودی قرض جو تم لوگوں کو اِس لیے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مالوں میں شامل ہو کر بڑھے اور تمھیں وہ بڑھوتری سود کی شکل میں ملے، تو یہ یاد رکھو کہ تمھیں تو اپنا مال بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے، لیکن اللہ کے ہاں یہ مال نہیں بڑھ رہا۔ اللہ کے پیمانوں کے اعتبار سے تم اُس کے ہاں گھاٹے میں جا رہے ہو۔ البتہ جو زکوٰۃ تم اللہ کی رضا کی خاطر دیتے ہو وہ اللہ کے ہاں قبول ہوتی ہے اور تمھارے لیے اخروی حوالے سے کئی گنا فائدے کا باعث بنتی ہے۔ اِسی طرح تجارت اگر دینی حدود کی پاس داری کرتے ہوئے کی جائے تو وہ بھی اُخروی اجر کا باعث بنے گی۔ خدا کے ہاں مال کے بڑھنے سے مراد اُس مال کا اُخروی اجر کا باعث ہونا ہے۔ (محمد رفیع مفتی)

رسولوں کی بعثت کی وجہ

سوال: انبیا اور رُسل کا مبعوث ہونا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے 'Pre-planned' ہوتا ہے یا ضرورت کے تحت بعثت ہو جاتی ہے؟ (محمد بلال، مظفر گڑھ)

جواب: یہ سوال خدا کے باطن میں جھانکنے کی لاحاصل کوشش ہے۔ ہم بس یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق جہاں جہاں اور جب جب رسول بھیجنا چاہا ہے، بھیجا ہے اور جب اُس کے نزدیک اِس کی ضرورت نہیں رہی، اُس نے ختمِ نبوت کا اعلان کر دیا۔ (محمد رفیع مفتی)

دورِ نبوی اور آج کا شرک

سوال: آپ کہتے ہیں کہ آدمی اگر اندر سے حق پرست ہو تو اس کی کسی غلط فہمی کے نتیجے میں سرزد ہونے والے غلط اعمال پر اسے سزا نہیں ملنی چاہیے، مگر آج کل کے وہ مسلمان جو کھلم کھلا شرکیہ اعمال کرتے اور ان کی تبلیغ کرتے ہیں وہ یقیناً غلط فہمی ہی کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں تو بس اسی طرح کے لوگ تو عرب میں مشرکینِ مکہ اور یہود و نصاریٰ کی شکل میں موجود تھے۔ وہ سب اللہ کو مانتے تھے اور آپ کے اعلانِ نبوت سے پہلے بغیر تعصب کے، اپنی اپنی سمجھ کے مطابق عمل کیے جا رہے تھے، مگر اللہ

نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے صحیح دین واضح کیا۔اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اللہ اپنے بندوں میں صرف خالص توحید اور دین دیکھنا چاہتے ہیں ۔اگر سب کو معافی مل گئی تو خالص توحید والوں اور شرک میں ملوث ان لوگوں کے درمیان کیا فرق ہوا؟ (محمد بلال ،مظفر گڑھ)

جواب: خالص موحد وہ ہے، جس کے دل میں توحید ہی توحید ہے۔اور خالص مشرک وہ ہے جس کے دل میں شرک ہی شرک ہے۔مشرکینِ عرب کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے مشرک قرار دیا تھا کہ اُن کے دل شرک سے آلودہ تھے۔رہا وہ شخص جو ہمیں شرکیہ اعمال میں پڑا ہوا نظر آتا ہے، اُس کے بارے میں یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اُس کا دل شرک سے آلودہ نہیں ہے، اِس کا پورا امکان ہے کہ وہ دل سے بھی مشرک ہی ہو اور توحید کی دعوت اپنی صحیح شکل میں اگر اُس تک پہنچے بھی تو وہ اُسے قبول نہ کرے،لیکن اُس کے بارے میں ہم یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے۔ہوسکتا ہے کہ ایسا نہ ہو، جوں ہی توحید کی دعوت اپنی صحیح شکل میں اُس تک پہنچے، وہ اُسے قبول کر لے۔چنانچہ آپ بتایئے کہ ہم اُس شخص کے بارے میں جو ہمیں بس مشرکانہ اعمال ہی میں مشغول نظر آتا ہے، کیسے یہ کہہ دیں کہ اُس کا دل شرک سے لازماً اُسی طرح آلودہ ہے، جیسے مشرکینِ مکہ کا تھا اور وہ بھی خدا کے نزدیک اُسی طرح سے حقیقی مشرک ہے، جیسے مثلاً مشرکینِ مکہ تھے۔ہوسکتا ہے وہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ وہ نہ ہو۔ہمارا اُس کے بارے میں کوئی حتمی بات کرنا دراصل، اُس کے بارے میں خدا کے علم کو بیان کرنا ہوگا۔جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کے نتیجے میں مشرکینِ عرب کے بارے میں خدا کا یہ علم ہی فیصلہ کن ہوا۔

(محمد رفیع مفتی)

ابلیس کی عمر

سوال: کیا آج بھی وہی شیطان موجود جس نے حضرت آدم کو دھوکا دیا تھا؟ یا وہ اپنی عمر کو پا کر مر گیا ہے؟ (محمد بلال ،مظفر گڑھ)

جواب: میرے خیال میں ابلیس کو جو مہلت دی گئی تھی ، وہ اُس کے اختتام تک زندہ رہے گا۔بعض اہلِ علم اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔تاہم مجھے اس پر اطمینان نہیں ہوسکا۔(محمد رفیع مفتی)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۳۱ جنوری ۲۰۰۰

برادرم محترم محمد بلال صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج ''اشراق'' فروری ۲۰۰۰ کا شمارہ ملا۔ اس میں پہلے آپ کی تحریر پڑھی تو ایک بات بہت کھٹکی۔ جماعت اسلامی کی دینی فکر پر تنقید میں آپ نے یہ لکھا ہے ''دین کے سادہ مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسان کا اصل مسئلہ کسی ریاستی نظام کی تبدیلی نہیں، بلکہ اخروی کامیابی کا حصول ہے اور اسی طرح انسان کا سب سے بڑا دشمن کوئی سیکولر حکمران نہیں بلکہ شیطان ہے۔''

عرض یہ کرنی ہے کہ اگر پورا ریاستی نظام شیطانی پروگرام پر عمل کر رہا ہو اور کوئی ولی اللہ اخروی کامیابی، جو انسان کا ''اصل مسئلہ'' ہے حاصل کرنا چاہے تو کیا اس ریاستی نظام کی تبدیلی کے لیے کوشش کیے بغیر وہ اخروی کامیابی حاصل کر سکتا ہے؟ ٹھیک ہے ''کوشش'' کے معاملے میں آپ کو جماعت کے طریق کار سے اختلاف ہو سکتا ہے، مگر میرا سوال یہ ہے کہ کیا اخروی کامیابی بغیر اس ''کوشش'' کے حاصل ہو سکتی ہے؟

یہ بھی تسلیم کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، مگر کیا سیکولرازم شیطان کا ''سب سے بڑا حربہ'' نہیں ہے؟ کیا سیکولر حکومت شیطان کا ایجنٹ اور بذات خود شیطان نہیں ہوتا؟ کیا دین و دنیا کی تفریق کرنے والا اور دین کو پرائیویٹ معاملہ بنانے والا اور اجتماعی امور میں شیطان کی پیروی کرنے والا اور شیطان کا نظام نافذ کرنے والا خود ''بہت بڑا شیطان'' نہیں ہے؟ اور کیا اس طرح وہ ''انسان کا سب سے بڑا دشمن'' نہیں ہے؟

واضح رہے کہ میں بذاتِ خود جماعت اسلامی یا جمعیت سے متعلق نہیں ہوں۔

میرے لائق اگر کوئی خدمت ہو تو میں ہمہ وقت حاضر ہوں۔

والسلام

محمد مشتاق احمد، مردان

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲۱ فروری ۲۰۰۰

برادرم مشتاق احمد صاحب

وعلیکم السلام

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔

آپ نے میری ایک تحریر پر تنقید کی۔ بہت شکریہ۔ تنقید بہت اچھی چیز ہے۔ تنقید سے مسائل کے مخفی پہلو اجاگر ہوتے ہیں، جن سے حقائق نکھرتے ہیں۔

ہمارے موجودہ ریاستی نظام میں بعض اسلامی قوانین بھی نافذ ہیں اور اخروی کامیابی کا حصول بھی ممکن ہے۔ اخروی کامیابی تزکیۂ نفس کے ساتھ مشروط ہے اور تزکیۂ نفس تو کافرانہ نظام میں بھی ممکن ہے۔ تاریخ اسلامی کے مکی دور کی طرف ذہن منتقل کریں: یہ کس قدر سنگین کافرانہ نظام تھا۔ اس نظام میں بعض ہستیوں نے خدا کی خاطر جان قربان کر دی تھی۔ ایسے لوگوں کی اخروی کامیابی میں ظاہر ہے کہ کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس مسئلے کو ایک دوسرے پہلو سے دیکھیے، اگر اخلاقی اعتبار سے حالات بہت برے ہوں تو معمولی نیکی کا بھی بہت اجر ملتا ہے۔ جتنے زیادہ خراب حالات میں نیکی کی جائے گی اس کا اجر اتنا ہی زیادہ ملے گا۔ قرآنِ مجید سے معلوم ہوتا ہے مدینہ کی اسلامی ریاست میں اسلام قبول کرنے والوں کے مقابلے میں مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کا اخروی مقام و مرتبہ بلند ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم حالات کی خرابی کے قائم رہنے کے خواہش مند ہیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ اچھا نظام انسان کے باطن پر اچھا اثر ڈالتا ہے اور اس سے بھی انکار نہیں کہ سیکولرزم شیطان کا ایک بڑا حربہ ہے۔ مگر ہمارا موقف یہ ہے کہ علماے دین کو نظام کی اصلاح کے بجائے انسانوں کے تزکیۂ نفس کو اپنا ہدف بنانا چاہیے، اس لیے کہ انبیاے کرام نے بھی اسی چیز کو اپنی مساعی کا ہدف بنایا۔ جب افراد کا تزکیۂ نفس ہو جائے گا تو اس کے نتیجے میں ظاہر ہے کہ سیکولر یا کافرانہ نظام کی اصلاح آپ سے آپ ہونا شروع ہو جائے گی۔ یہ اصلاح بڑی فطری اور پائیدار ہو گی اور لوگ بھی قلبی طور پر دین پر عمل کریں گے۔ بصورتِ دیگر وہ قانون کے ڈنڈے کے خوف سے منافقانہ طور پر دین کا لبادہ اوڑھ لیں گے اور دورِ نبوی کے منافقوں کی طرح اسلام کے خلاف سازشیں بھی کریں گے۔

افسوس ہے کہ ہمارے بعض علماے دین نے نتیجے کو ہدف بنا لیا ہے۔ بالالفاظِ دیگر انھوں نے شکار کرنے کے

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

لیے جانور کے بجائے اس کے سائے کو ہدف بنالیا ہے۔ مرض کے بجائے مرض کی علامات کے خاتمے کو مسئلہ بنا لیا ہے۔ یہ مسئلہ بہت اہم ہے، اس لیے میں تفصیل سے اس کی وضاحت کرنا چاہوں گا۔ اس ضمن میں مولانا سید ابوالحسن ندوی کہتے ہیں:

''جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی، باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی، پوری دنیا کی باگ ڈور دل کے ہاتھ ہے زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑتا ہے، یہاں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔..... پیغمبر یہیں سے اپنا کام شروع کرتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سب دل کا قصور ہے، انسان کا دل بگڑ گیا ہے، اس کے اندر چوری، ظلم، دغا بازی کا جذبہ اور ہوس پیدا ہوگئی ہے، اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے جو ہر وقت اس کو نچا رہا ہے اور وہ بچے کی طرح اس کے اشارے پر حرکت کر رہا ہے۔ پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہو گیا ہے، اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کا زبردست میلان پیدا ہو گیا ہے، اس لیے سب سے ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے اور اس کے من کو مانجھا جائے۔'' (تعمیر انسانیت، ص ۱۹-۲۰)

''پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں، وہ نظام بدلنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے، جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، نظام ہمیشہ مزاج کے تابع رہا ہے، اگر دل نہیں بدلتا، مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا، لوگ کہتے ہیں کہ دنیا خراب ہے، زمانہ خراب ہے، میں کہتا ہوں یہ کچھ نہیں، بلکہ انسان خراب ہے، کیا زمین کی حالت میں فرق پڑ گیا، کیا ہوا کا اثر بدل گیا، کیا سورج نے گرمی اور روشنی دینی چھوڑ دی، کیا آسمان کی حالت تبدیل ہوگئی..... پیغمبر دلوں میں انجکشن لگاتے ہیں لوگ باہر کی ٹیپ ٹاپ کرتے ہیں اور اسی پر سارا زور صرف کرتے ہیں، پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں، آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے، انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جا رہا ہے، کیڑا اس کے گودے کو کھائے چلا جا رہا ہے، لیکن زمانے کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا رہے ہیں، درخت کے اندر کی سرسبزی اور اس کی نشو ونما کی جو قوت تھی، وہ ختم ہو چلی ہے، لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کو ہوائیں (Gases) پہنچائی جا رہی ہیں، پانی چھڑکا جا رہا ہے کہ خشک پتے ہرے ہوں، پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی، انھوں نے اسے ایمانی انجکشن دیا اور کہا کہ اے بھولے ہوئے انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اسے نگراں مان 'لاتاخذہ سنۃ و لانوم' (نہ اس پر اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے)۔''

(تعمیر انسانیت، ص ۲۳-۲۴)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

''آپ سے پہلے جوقومیں دنیا میں تباہ ہوئیں ان پر کسی مرض یا وبا سے تباہی نہیں آئی بلکہ وہ اپنے اخلاق کی خرابی، دولت پرستی اور کریکٹر کی گراوٹ سے تباہ ہوئیں، سیاسی پارٹیاں چاہے جو مرض اور بیماری بتلائیں، مگر میں تو یہی کہتا ہوں کہ اصل بیماری انسانیت کی تباہی اور اخلاقی پستی ہے۔'' (تعمیر انسانیت، ص ۶۲)

مشتاق صاحب، ہمارے معاشرے کے افراد کے قلوب میں آلودگی کے باعث نتیجتہً جو خارج میں مسائل پیدا ہو گئے ہیں انھیں دیکھ کر ہمارا جی بھی کڑھتا ہے اور جذبات میں وہی ہلچل پیدا ہوتی ہے جو مولانا وحید الدین خاں نے اپنے حوالے سے بیان کی ہے۔ خاں صاحب لکھتے ہیں:

''جب میں سڑک پر چلتا ہوں اور لاؤڈ اسپیکر پر بجتے ہوئے فلمی گانے کی آواز میرے کان میں آتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ کاش میرے پاس وہ طاقت ہوتی جس سے میں اس خرافات کو بالکل بند کر دیتا۔ جب میں روزانہ اخبار پڑھتا ہوں اور اس میں دیکھتا ہوں کہ شیاطین انس نے لیڈر اور رہنما بن کر زمین کو فساد سے بھر دیا ہے تو دماغ جیسے کھولنے لگتا ہے اور یہ تمنا ابھرآتی ہے کہ کوئی ایسی شکل ہوتی کہ ان مفسدین سے زمین کو پاک کیا جا سکتا جب میں عوام الناس کو دیکھتا ہوں کہ وہ انسان کے بنائے ہوئے احمقانہ قوانین کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں اور غلط معاشی نظام کے نیچے پس رہے ہیں تو سارے بدن میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے اور یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس جال کو توڑ ڈالوں اور اس نظام کو تہس نہس کر دوں، جب میں دیکھتا ہوں کہ وقت کا با اقتدار طبقہ اقتدار پا کر فرعون بن گیا ہے اور ملکی اور بین الاقوامی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے تو بے اختیار جی چاہتا ہے کہ کاش میرے لیے یہ ممکن ہوتا کہ میں ان تمام مجرمین کو جیل بھیج دیتا اور اور انسانیت کو ان کے تخت و تاراج سے رہائی دلا دیتا جب میں دیکھتا ہوں کہ اشرار کی قیادت نے دنیا کا یہ حال کر دیا ہے کہ زمین کے بہترین ذرائع و وسائل صرف جنگی تیاریوں میں برباد کیے جا رہے ہیں اور سیاست صرف اس کا نام رہ گئی ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائے، تو جی چاہتا ہے کہ ایسے حکمرانوں کو خود انھیں کے تیار کیے ہوئے ان آتشیں گڑھوں میں دھکیل دوں جو انھوں نے اپنے فرضی دشمنوں اور سیاسی مخالفوں کے لیے بنا رکھے ہیں۔

ممکن ہے میرے ان جذبات میں کچھ انتہا پسندی ہو، مگر میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ اگر کسی کے دل میں ایمان پیدا ہوا ہے تو وہ خارجی حالات کے بارے میں اس قسم کے احساسات سے خالی نہیں ہوسکتا۔ مومن کی لازمی صفت ہے کہ وہ دنیا کے بگاڑ کو دیکھ کر کڑھے اس کی اصلاح کی تدبیر سوچے۔ اس کو دور کرنے کے لیے اپنے بس بھر کوشش کرے، لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ یہی اہل ایمان کا اصل مشن ہے اور یہی وہ اصل کام ہے جس کے لیے تمام انبیا بھیجے گئے تھے تو میں کہوں گا کہ یہ بات اتنی ہی غلط ہے جتنا یہ کہنا کہ خارجی بگاڑ

کا مسلمان سے کوئی تعلق نہیں، اس کے بارے میں اسے کچھ سوچنا نہیں چاہیے۔'' (تعبیر کی غلطی، ص ۲۱۵)

لیکن مشتاق صاحب، مسئلہ یہ ہے کہ صورتِ حال کی اصلاح کے لیے کیا کیا جائے؟ کس نوعیت کا اقدام کیا جائے؟ کس چیز کو ہدف بنایا جائے؟ اس ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ دین یہ چاہتا ہے کہ انسان کے داخل کو ہدف بنایا جائے اور دھمکیوں، ریلیوں اور احتجاجوں کے بجائے دلیل و برہان کی بنا پر، تہذیب اور حکمت کے ساتھ، تعلیم و تربیت کی نوعیت کا اقدام کیا جائے۔

آپ نے لکھا ہے کہ میں نے جماعت اسلامی کے دینی فکر پر تنقید کی ہے۔ مشتاق صاحب میری تنقید کا ہدف صرف جماعت اسلامی نہیں تھی، اسی لیے میں نے جماعت اسلامی کا حوالہ دے کر بات نہیں کی۔ آج جانور کے بجائے جانور کے سائے کو ہدف بنا کر اور مرض کے بجائے مرض کی علامات کو پیش نظر رکھ کر بہت سی جماعتیں اور بہت سے افراد بڑے خلوص کے ساتھ اصلاحی کام کر رہے ہیں۔ میری تنقید کا رخ ان تمام جماعتوں اور ان تمام افراد کی جانب تھا۔

یہاں میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ تنقید بری چیز نہیں ہوتی۔ تنقید تو درحقیقت تجویز ہوتی ہے۔ تنقید سے صحیح آرا قائم کرنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے تنقید سے فکر و نظر کی دنیا کو زندگی ملتی ہے تنقید میں انسان کے لیے بے پناہ خیر و فلاح پوشیدہ ہے۔ غور کریں، انبیاے کرام کے کام کا ایک بڑا حصہ ''تنقیدی'' ہی ہوتا ہے۔ ایک پہلو سے سوچیے تو ہماری یہ تنقید نفاذِ اسلام کی کوششوں کو نقصان نہیں پہنچاتی، بلکہ انھیں صحیح راہ دکھا کر قوت بہم پہنچاتی ہے۔

امید ہے اس وضاحت سے آپ کا اعتراض رفع ہو گیا ہو گا۔ تاہم اگر کوئی تشنگی رہ جائے تو ضرور لکھیے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

دعا کا طالب

محمد بلال

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

الطاف احمد اعظمی

غلبۂ دین کی جدوجہد

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا. (الفتح ۴۸:۲۸)

''وہ اللہ ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو کل دین (یعنی ادیانِ شرک) پر غالب کر دے اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔''

ٹھیک یہی مضمون بلاتغیر الفاظ دو اور سورتوں یعنی سورۂ توبہ کی آیت ۳۳ اور سورۂ صف کی آیت: ۹ میں بھی بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں 'الھدیٰ' اور 'دین الحق' سے دین توحید اور 'الدین کله' سے دین شرک اور اس کی مختلف صورتیں مراد ہیں۔ اس بنا پر اظہار دین حق کا مطلب ہوگا دین توحید کا دین شرک پر غلبہ۔ یہ دراصل فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے، جو دین شرک پر دین توحید کے مکمل غلبے کا اعلان تھا۔ ماقبل کی آیات اس مفہوم کو واضح کرتی ہیں۔ فرمایا گیا ہے:

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡیَا بِالۡحَقِّ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ مُحَلِّقِیۡنَ رُءُوۡسَکُمۡ وَمُقَصِّرِیۡنَ لَا تَخَافُوۡنَ. فَعَلِمَ مَا لَمۡ تَعۡلَمُوۡا فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِکَ فَتۡحًا قَرِیۡبًا. هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی. (الفتح ۴۸:۲۷-۲۸)

''بے شک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا کہ تم لوگ مسجد حرام (یعنی مکہ) میں ان شاء اللہ ضرور داخل ہو گے، امن و امان کے ساتھ سر منڈائے اور بال کتروائے ہوئے۔ تم کو کسی طرح کا خوف نہ ہوگا۔ پس اللہ کو وہ بات معلوم ہے جو تم کو معلوم نہیں۔ پھر اس سے پہلے ایک فتح

قریب دے دی۔ وہ اللہ ہے جس نے اپنے رسول
کو ہدایت کے ساتھ ....الخ‘‘

اس اظہار دین حق میں مشرکین مکہ کے علاوہ جزیرۃ العرب کے یہود و نصاریٰ بھی شامل تھے۔ ان کا دین بھی گو کہ وہ اہل کتاب تھے، عملاً شرک تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ ان کے مشرکانہ دین پر بھی دین توحید کو غالب کیا جائے تا کہ سرزمینِ عرب کے کسی خطے میں بھی شرک کی بالادستی باقی نہ رہے۔ سورۂ صف میں جہاں آیۂ مذکورہ وارد ہے اس کے ماقبل کی آیتیں اس مفہوم کی طرف رہبری کرتی ہیں۔ فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ. وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ..... یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ. هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ. (الصّف ۶۱: ۵-۹)

’’اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم، مجھ کو کیوں ایذا پہنچاتے ہو۔ حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ پھر جب (اس تنبیہ کے باوجود) وہ لوگ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ نافرمان قوم کو راہِ ہدایت نہیں دکھاتا۔ اور وہ (وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب عیسیٰ ابنِ مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل، میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، مجھ سے پہلے جو تورات (آ چکی) ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے، احمد نام کا، میں اس کی بشارت دینے والا ہوں..... یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور (دینِ حق) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا۔ خواہ کفار کو یہ کتنا ہی ناپسند ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ ...‘‘

سورۂ توبہ میں مذکورہ آیت کا سیاق بھی ملاحظہ ہو:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ. وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ. هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ. (التوبہ۹: ۳۱-۳۳)

''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پاک ہے اس شرک سے جو وہ لوگ کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ یعنی پھونکوں سے بجھا دیں۔ اور اللہ مانے گا نہیں، یہاں تک کہ اپنے نور کو حدِ کمال تک پہنچا دے۔ خواہ کفار کو یہ ناپسند ہو۔ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو غالب کر دے۔''

تاریخ اس دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں تمام جزیرۃ العرب آپ کے زیرِ نگیں ہو گیا تھا۔ مشرکینِ عرب نے یا تو اسلام قبول کر لیا یا اسلامی مملکت کے حدود سے باہر چلے گئے۔ یہود و نصاریٰ نے سیاسی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح آیاتِ مذکورہ بالا میں دینِ حق کے جس غلبۂ کامل کی پیشین گوئی کی گئی تھی، وہ حرف بہ حرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پوری ہو گئی۔

یہ ایک خصوصی معاملہ تھا۔ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ رسول جس قوم میں مبعوث ہوتا ہے وہ قوم انجامِ کار رسول یا اس کے پیروں کے ہاتھوں مغلوب ہو جاتی ہے یا عذابِ آسمانی کے ذریعے سے ہلاک کر دی جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل ایمان کے ہاتھوں مغلوب ہوئے اور دین حق کو کامل غلبہ ملا۔

آیت کی مذکورہ بالا تشریح کو سامنے رکھیں اور پھر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی درجِ ذیل تحریر پڑھیں اور خود فیصلہ کریں کہ اظہار دین حق کی ان کی تشریح کہاں تک صحیح ہے۔ فرماتے ہیں:

''اس آیت میں 'الھدیٰ' سے مراد دنیا میں زندگی بسر کرنے کا صحیح طریقہ ہے۔ انفرادی برتاؤ، خاندانی نظام، سوسائٹی کی ترکیب، معاشی معاملات، ملکی انتظام، سیاسی حکمت عملی، بین الاقوامی تعلقات، غرض زندگی کے تمام پہلوں میں انسان کی زندگی کے لیے صحیح رویہ کیا ہونا چاہیے، یہ چیز اللہ نے اپنے رسول کو بتا کر بھیجا ہے۔ دوسری چیز جو اللہ کا رسول لے کر آیا ہے، وہ دینِ حق ہے۔ دین کے معنی اطاعت کے ہیں۔ کیش اور

مذہب کے لیے جو دین کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ اس کا اصل معنی موضوع لہٗ نہیں ہے، بلکہ اس کو دین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں بھی انسان خیال و عمل کے ایک خاص سسٹم کی اطاعت کرتا ہے۔ ورنہ دراصل دین کا لفظ قریب قریب وہی معنی رکھتا ہے جو زمانۂ حال میں ''اسٹیٹ'' کے معنی ہیں۔ لوگوں کا کسی بالاتر اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت کرنا، یہ اسٹیٹ ہے۔ یہی دین کا مفہوم بھی ہے۔ اور دین حق یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کی خود اپنے نفس کی اور تمام مخلوقات کی بندگی و اطاعت چھوڑ کر صرف اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرے اور اسی کی بندگی و اطاعت اختیار کرے۔ پس درحقیقت اللہ کا رسول اپنے بھیجنے والے کی طرف سے ایک ایسے اسٹیٹ کا نظام لے کر آیا ہے جس میں نہ تو انسان کی خود اختیاری کے لیے کوئی جگہ ہے، نہ انسان پر انسان کی حاکمیت کے لیے کوئی مقام، بلکہ حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ جو کچھ بھی ہے صرف اللہ کے لیے ہے۔

پھر رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اس نظامِ اطاعت (دین) اور اس قانونِ حیات (الھدیٰ) کو پوری جنس دین پر غالب کر دے۔ پوری جنسِ دین سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جن جن صورتوں سے کسی کی اطاعت کر رہا ہے وہ سب جنسِ دین کی مختلف انواع ہیں۔ بیٹے کا والدین کی اطاعت کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا، نوکر کا آقا کی اطاعت کرنا، ماتحت کا افسر کی اطاعت کرنا، رعیت کا حکومت کی اطاعت کرنا، پیروں کا پیشواؤں اور لیڈروں کی اطاعت کرنا، یہ اور ایسی ہی دوسری بے شمار اطاعتیں بحیثیتِ مجموعی ایک نظامِ اطاعت بناتی ہیں اور اللہ کی طرف سے رسول کے آنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ پورا نظامِ اطاعت اپنے تمام اجزا سمیت ایک بڑی اطاعت اور ایک بڑے قانون کے ماتحت ہو جائے، تمام اطاعتیں اللہ کی اطاعت کے تابع ہوں، ان سب کو منضبط (Regulate) کرنے والا ایک اللہ ہی کا قانون ہو، اور اس بڑی اطاعت اور ضابطۂ قانون کے حدود سے باہر کوئی اطاعت باقی نہ رہے۔

یہ رسول کا مشن ہے اور رسول اس مشن کو پورا کرنے پر مامور ہے خواہ شرک کرنے والے اس پر کتنی ہی ناک بھوں چڑھائیں۔ شرک کرنے والے کون ہیں؟ وہ سب لوگ جو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری مستقل بالذات (یعنی خدا کی اطاعت سے آزاد) اطاعتیں شریک کرتے ہیں۔''

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، حصہ سوم، ص ۹۳-۹۴)

اقتباسِ بالا میں جزوی صداقت کے باوجود ماننا ہوگا کہ یہ آیت کی صحیح تاویل نہیں ہے۔ سیاق و سباق آیت کو نظر انداز کر کے مفہوم اخذ کرنے کا جو خطرناک نتیجہ نکل سکتا ہے، یہ تشریح اس کی ایک واضح مثال ہے۔

مولانا نے 'الھدی' اور 'دین الحق' کے جو معنی بتائے ہیں، اس کی تائید نہ لغت سے ہوتی ہے اور نہ نظائر قرآن سے اور نہ آج تک کسی عالم دین یا مفسر قرآن کا ذہن اس عجیب و غریب معانی کی طرف گیا۔ مولانا

نے 'الھدی' اور 'دین الحق' کو مختلف المعانی الفاظ سمجھ کر ان کی الگ الگ تشریح کی ہے حالانکہ ان میں ''واؤ' عطف کا نہیں، بیان کا ہے، یعنی 'دین الحق' کے الفاظ 'الھدی' کی وضاحت کے لیے آئے ہیں۔ اور 'دین الحق' سے مراد قانونِ حیات نہیں جیسا کہ مولانا نے لکھا ہے، بلکہ اس سے دین توحید مراد ہے۔ اسی طرح 'الدین کلہ' سے شرک کی ان تمام انواع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو عہدِ نبوی میں یہود ونصاری اور مشرکینِ عرب کے عقیدہ وعمل کی صورت میں موجود تھیں۔ مولانا نے اس شرک کو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ان افعال سے جوڑا ہے جس میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ دوسری مستقل بالذات اطاعتیں شریک ہوتی ہیں۔ اس تشریح میں کہیں بھی فسادِ عقیدہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا کے ذہن پر اسلام کا سیاسی تصور مکمل طور پر حاوی تھا اور قرآنی آیات کی تشریح میں وہ کسی نہ کسی رخ سے ضرور نمودار ہو جاتا ہے جیسا کہ آیۂ زیر بحث میں آپ نے دیکھا[1]۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

اس غلط طرزِ فکر کی وجہ سے وہ رسول کا مشن یہ قرار دیتے ہیں ''اللہ نے اپنے رسول کو صحیح اور برحق نظامِ زندگی یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کے مشن کی غایت یہ ہے کہ اس نظام کو دوسرے تمام نظاموں پر غالب کر دے[2]۔ جب رسول کا یہ مشن ٹھیرا تو لازماً اس کے پیروؤں کا مشن اس کے علاوہ کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشن ہرگز نہ تھا جیسا کہ بیان کیا گیا۔

'الھدی' اور 'دین الحق' کی طرح 'لیظھر' کے فاعل کے تعین میں بھی مولانا نے غلطی کی ہے۔ انھوں نے ضمیر فاعل کا مرجع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا ہے اور اسی بنا پر وہ اقامت حکومت الٰہیہ کو امت مسلمہ کا علی الاطلاق نصب العین قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ بعض مفسرین نے 'لیظھر' کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا ہے، لیکن جمہور

---

[1] اس آیت کی تشریح میں مولانا مودودی شعوری یا غیر شعوری طور پر مولانا آزاد سے متاثر نظر آتے ہیں۔ مولانا آزاد نے لکھا ہے: ''اس ملک کی بنیاد اس ایمانی اور اعتقادی حقیقت پر تھی کہ شریعت اسلامیہ آخری و اکمل شریعت ہے۔ 'اکملت لکم' اور اس کا وعدہ ہے: 'لیظھرہ علی الدین کلہ'۔ یقیناً اس وعدہ کا ابھی ظہور نہیں ہوا ہے۔ پس ضرور ہے کہ وعدۂ الٰہی ظاہر ہو۔'' (خطبات آزاد، ص ۶۱)

یہ علما ابھی وعدۂ الٰہی کے ظہور کے منتظر ہیں، جبکہ سرزمین عرب میں دین حق کے غلبے کی شکل میں یہ وعدۂ الٰہی پورا کیا جا چکا ہے۔ مولانا مودودی نے مولانا آزاد کے ''انتظار'' کو عملی شکل دینے کے لیے اقدام کیا۔ یعنی ساری دنیا کے نظامات باطل کو اکھاڑ کر دین اسلام کو غالب کرنا لیکن: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

[2] ''قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں''، ص ۹۴-۹۵۔

مفسرین کے نزدیک اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور یہی بات قرین صواب ہے۔ آیت کا سیاق وسباق کسی ادنیٰ اشتباہ کے بغیر بتا رہا ہے کہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مانا ہی نہیں جا سکتا ہے۔ اور جن لوگوں نے بھی اس کا فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا ہے، انھوں نے غلطی کی ہے۔ سورۂ صف اور سورۂ توبہ دونوں میں 'ليظهره على الدين كله' کے فقرے سے پہلے یہ آیت موجود ہے: 'يريدون ليطفؤا نور اللّٰه بافواههم واللّٰه متم نوره ولو كره الكافرون' (۶۱:۸) سورۂ توبہ میں صرف چند الفاظ کا فرق ہے: 'يريدون أن ليطفؤا نور اللّٰه بافواههم ويابى اللّٰه الا ان يتم نوره ولو كره الكافرون' (۹:۳۲) اس بنا پر اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ آیت 'هو الذى ارسل رسوله' دراصل اس سے پہلے کی آیت 'ويابى اللّٰه الا ان يتم نوره' کا بیان ہے، اس لیے یہ لازمی ہے کہ دونوں آیتوں کا فاعل ایک ہو۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

والجملة بيان و تقرير لمضمون الجملة السابقة لان مآل الاتمام هو الاظهار. (روح المعانی، ج ۱۰، ص ۸۶)

"اور یہ جملہ (هو الذى ارسل رسوله... الخ) اپنے سے پہلے کے جملہ (يريدون ان يطفؤا نور اللّٰه ... الخ) کا بیان اور اس کی وضاحت ہے کیونکہ اتمامِ نور کا نتیجہ دراصل اظہارِ دین ہے۔"

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

اس بنا پر ماننا ہوگا کہ آیۂ زیرِ بحث میں رسول کے کسی مشن کا نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ایک فیصلہ کا اعلان و اظہار ہے جو علمِ الٰہی میں پہلے سے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ آخری رسول کو سرزمین عرب میں دینی وسیاسی غلبہ عطا کرے گا 'واللّٰه متم نوره ولو كره المشركون' کا جملہ اس ارادۂ الٰہی کا مظہر ہے۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ کفار ومشرکین کی تمام کراہت اور رکاوٹوں کے باوجود دین حق کو سرزمین عرب میں رسول کی زندگی میں اللہ نے غالب کر دیا۔

غیر مسلم مورخین اس واقعہ پر حیران ہیں کہ کس طرح نہایت قلیل مدت میں بے سروسامانی اور قلت تعداد کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کفارِ عرب پر تسلط حاصل ہو گیا، اگر وہ جانتے کہ یہ کسی انسان کا کارنامہ نہیں، بلکہ اللہ مالک الملک کے ایک ازلی فیصلے کا نفاذ تھا تو ان کی حیرت دور ہو جاتی، کیونکہ جس کام کے کرنے کا فیصلہ اللہ رب العزت فرما لیں، اس کو عمل میں آنے سے کون روک سکتا ہے۔

اس فیصلے کا تمام تر تعلق جزیرۃ العرب میں دین حق کے غلبہ وتسلط سے تھا اوراس کا نفاذ عمل میں آچکا۔اس کا تعلق بعد کے ادوار سے نہیں ہے۔دوسرے لفظوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں کا مشن یہ نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے کہ وہ دین حق کو دنیا کے تمام باطل نظامات پر بزورِطاقت غالب کر دیں اور جب تک وہ ایسا نہ کرلیں چین سے نہ بیٹھیں۔نہ یہ پہلے ممکن ہوا اور نہ آیندہ ممکن العمل ہے۔اور یہ انسان کی غایت تخلیق کے بھی منافی ہے۔فکروعمل کا اختلاف ازل سے رہا ہے اور ابد تک رہے گا۔خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:'ولو شاء ربك لجعل لناس امة واحدة ولا يزالون مختلفين '۔(ہود۱۱:۱۱۸)''اگر تمھارا رب چاہتا تو تم سب آدمیوں کو ایک ہی طریقے پر بنا دیتا (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا) وہ برابر اختلاف کرتے رہیں گے۔'' دوسری جگہ ارشاد ہے:'ولو شاء اللّٰه لجعلكم امة واحدة ولكن يضل من يشآء ويهدي من يشآء۔ ولتسئلن عما كنتم تعملون '۔(النحل۱۶:۹۳)''اور اگر خدا کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک طریقے کا بنا دیتا،لیکن وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ضلالت۔اور تم سے تمھارے سب اعمال کی باز پرس ہوگی۔''ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:'ولو شآء اللّٰه لجعلكم امة واحدة ولكن ليبلوكم في ما اتبكم فاستبقوا الخيرات الى اللّٰه مرجعكم جميعا فينبئكم بما كنتم فيه تختلفون '(مائدہ۵:۴۸)''اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو تم سب کو ایک طریقہ کا بنا دیتا (لیکن اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ جو دین تم کو دیا ہے اس میں تمھارا امتحان کرے۔تم خیر کی طرف سبقت کرو۔تم سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر جس میں اختلاف کیا کرتے تھے اُس (کی اصل حقیقت) سے تم کو باخبر کر دے گا۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مختلف مذاہب کا وجود اور ان کے درمیان فکروعمل کا جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ اللہ کی غایت تخلیق کے عین مطابق ہے[۳]۔اگر اِن اختلافات کو بزورِطاقت مٹا دیا جائے تو یہ عمل غایت تخلیق کے منافی ہوگا۔

یہاں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ قرآن مجید میں کفروشرک اور اسلام کے درمیان جس نزاع کا ذکر ہے وہ اس لیے نہیں کہ اسلام دوسرے ادیان کو مٹا کر صرف دین واحد کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔اس کا واضح اعلان ہے:'لا اكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي '(البقرۃ۲:۲۵۶)''دین میں کوئی زورزبردستی

۳؎ یاد رکھیں،مذہبی اختلافات کے فیصلے کے لیے آخرت کا دن مقرر ہے نہ کہ دنیا۔دیکھیں:البقرۃ:۱۱۳،یونس:۱۹،النحل:۱۲۴،السجدہ:۲۵،الجاثیہ:۱۷۔

نہیں ہے، ہدایت ضلالت سے بالکل واضح ہے۔''اس کے رسول سے فرمایا گیا ہے:'افأنت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین '(یونس۱۰:۹۹)''کیا تم لوگوں پر اس بات کے لیے جبر کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔'' بلکہ اس نزاع کی وجہ کفر وشرک کی طرف سے دین توحید کی مخالفت ومزاحمت ہے۔قتال و جہاد کے سارے احکام اسی لیے ہیں کہ اہل شرک دین توحید کی راہ روکنا چاہتے تھے اور اس کے استیصال کے درپے تھے حتیٰ کہ اسی مقصد کے لیے انھوں نے تلوار تک اٹھا لی۔ان حالات میں جب مسلمانوں کو سیاسی قوت ملی تو پھر انھوں نے تلوار کا مقابلہ تلوار سے کیا۔قرآن کا واضح اعلان ہے:'وقاتلوا فی سبیل اللّٰہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللّٰہ لا یحب المعتدین'(البقرہ۲:۱۹۰)''اور لڑو اللہ کے راستہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں، اور زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

معلوم ہوا کہ اہل ایمان کا دینی مشن اقامت توحید ہے۔اور اگر اس معاملہ میں دین شرک مزاحم ہو تو وہ اس کا مقابلہ کریں، بشرطیکہ انھیں با اختیار معاشرہ اور سیاسی قوت حاصل ہو، ورنہ حصولِ اقتدار تک ان کو صبر و اعراض سے کام لینا ہوگا۔اس مشن کی کامیابی کی صورت میں جب اللہ 'تمکن فی الارض 'عطا کرے تو پھر ان کا مشن یہ قرار پائے گا کہ وہ اللہ کی منشا اور مرضی کے مطابق ایک عادلانہ حکومت قائم کریں جیسا کہ داؤد علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا ہے:'یاداؤد انا جعلناك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق '(ص۳۸:۲۶)''اے داؤد، ہم نے تم کو زمین میں حاکم بنایا ہے پس لوگوں میں حق وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

شخصیت اور دعوتِ دین

پانچویں صدی قبل مسیح میں بقراط نے نظریہ پیش کیا کہ چونکہ انسان مختلف عناصر سے مل کر بنا ہے اور ان عناصر کی ترکیب ہر انسان میں مختلف ہوتی ہے، لہٰذا عناصر کی اس کمی بیشی سے انسانوں کے مزاج میں بھی فرق آ جاتا ہے۔ ہر انسان کے جسمانی و ذہنی رویے اس کے مزاج سے ترتیب پاتے ہیں۔ بقراط نے لوگوں کا علاج معالجہ ان کے مزاج کو مدِ نظر رکھ کر کیا۔

۱۹۲۱ء میں کارل یونگ (Carl Jung) نے اپنی تھیوری متعارف کرائی۔ اس کا خیال تھا کچھ انسان دروں بیں (Introvert) ہوتے ہیں جو خیالات، احساسات اور تصورات کی دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ شرمیلے ہوں، بلکہ بسا اوقات ان کی سوچ پختہ ہوتی ہے اور انھیں فلسفے سے شغف ہوتا ہے۔ دوسری طرح کے لوگ خارج بیں (Extrovert) ہوتے ہیں۔ یہ بیرونی دنیا پر نظر رکھتے ہیں۔ اشیا اور لوگوں پر اور ان کے معاملات پر ان کی توجہ ہوتی ہے۔ ان کا ذہن بالعموم سائنسی ہوتا ہے اور یہ دنیا پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دونوں طرح کے لوگ بیرونی دنیا سے چار طرح تعامل کرتے ہیں۔ (۱) 'Sensing': حس سے کام لینا، معلومات کو نہ پرکھنا۔ (۲) 'Thinking': معلومات کو عقل اور منطق کے پیمانے پر تولنا۔ (۳) 'Intuiting': یہ ایک پیچیدہ حسی عمل ہے جو عقل سے ماورا ہے اور تمام حسوں کے باہمی تعامل سے پیدا ہوتا ہے۔ اردو میں اسے وجدان یا آمد کا نام دیا جاتا ہے۔ (۴) 'Feeling': معلومات کو سمجھ کر جانچنا اور جذبات کے تناظر میں پرکھنا۔ اکثر لوگ ایک یا دو طریقوں کو عمل میں لاتے ہیں۔

پھر 'kathrine Briggs' اور 'Isabel Myer'، ماں بیٹی نے مل کر، دروں بینی اور خارج بینی اور ان چار عملوں (Functions) کو حسابی ترتیب دے کر سولہ قسم کی شخصیات کا جدول بنایا۔ انھوں نے ایک سو پچیس سوالات مرتب کر کے اس جدول میں سے شخصیت کی قسم معلوم کرنے کا ایک پیمانہ بنایا۔ مثال کے طور

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پر' S-N' (Sensing intuiting) قسم میں پچھتر فی صد لوگ شامل ہوتے ہیں اور' INFJ' (Introverted intuiting with feeling) وہ لوگ ہوتے ہیں جو واقعی کچھ کرنا چاہتے ہیں

ان کے بعد David Keirsey نے اس قسم کو نئی ترتیب دی اور حسبِ ذیل چار بڑی قسمیں بیان کیں:

(۱)'Idealists' آئیڈیل کو سامنے رکھ کر چلنے والے، (۲)'Traditionalists' روایت کا لحاظ رکھنے والے (۳) 'Rationalists' سوچ اور منطق کا دھیان رکھنے والے (۴)'Hedonists' خوشی اور فرحت کی تلاش میں رہنے والے۔

شخصیات کا یہ جائزہ اور تقسیم مزید تحقیق کی متقاضی ہے۔ زمانے کے ساتھ اس کے فہم میں اور تبدیلیاں آئیں گی۔ اس طرح کی مختلف شخصیات رکھنے والے لوگ جب دین کا کام کرتے ہیں تو ان کا اپنا مزاج اور طرزِ فکر ان کے فہمِ دین پر اثر ڈالتے ہیں۔ وہ اسی کے مطابق دینی تقاضوں کو ترتیب دے دیتے ہیں اور جب یہ ایک رہنما کی سطح پر آتے ہیں تو اپنے پیروؤں کو ویسی ہی تربیت دینا شروع کر دیتے ہیں، جو ان کی شخصیت کے سانچے میں سے نکلی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں کئی ایسے قائدین دکھائی دیتے ہیں جو مختلف دینی پہلوؤں کو اجاگر کر کے اپنی تحریکوں اور تنظیموں کو چلا رہے ہیں۔ کسی نے عمامے اور مسواک کو اہم سنت قرار دیا ہے اور کوئی ہر ہیئت اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ کوئی عدمِ تشدد کا پرچار کر رہا ہے اور کوئی مسلح انقلابی جدوجہد میں یقین رکھتا ہے۔ ایک عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہم بتاتا ہے اور دوسرا توحیدِ باری تعالیٰ کو اصلِ دین بتاتا ہے۔ ایک کلمے کی تبلیغ کا پیغام دیتا ہے اور دوسرا دین کا مربوط نظام سکھا رہا ہے۔ پھر یہ گروہ باہم برسرِ پیکار بھی ہو جاتے ہیں اور کبھی قتل و غارت گری کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ فرقوں کی تقسیم ایک الگ مسئلہ ہے اور پھر ہر فرقے کے اندر یہی تقسیم در تقسیم چلتی ہے۔

یہ درست ہے کہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق دین پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ اسے ہر کام اللہ کی طرف سے مہیا اس دائرے کے اندر رہ کر کرنا ہے۔ دینی کام جب اس کی افتادِ طبع اور ہمت کے موافق ہوگا، تبھی وہ کر پائے گا۔ تاہم دین کا ایک مجرد فہم ہے، جس پر انسان اپنے ذہن میں سوچ سکتا ہے، دوسروں کو بتا سکتا ہے یا کاغذ پر منتقل کر سکتا ہے۔ یہ فہم قرآن و سنت کی عطا کردہ بصیرت سے تشکیل پاتا ہے اور کسی کی طبیعت اور استطاعت سے متعلق نہیں ہوتا۔ یہ بنی نوع انسان سے بحیثیتِ مجموعی تعلق رکھتا ہے۔ فرائض و واجبات تو ہر ایک کو لازماً ادا کرنے ہوتے ہیں کیونکہ خالقِ حقیقی نے انھیں ہر مسلمان کی قدرت میں ممکن کر رکھا ہے اور ان میں

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کچھ سہولتیں بھی دی ہیں، مثلاً نماز اگر صحیح طرح کھڑے ہو کر پڑھنا مشکل ہو تو آدمی بیٹھ کر یا اشارے سے پڑھ سکتا ہے۔ جو شخص رمضان کے دنوں میں بیمار پڑ جائے، وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی گنتی پوری کرے گا۔ پھر کچھ فرضِ کفایہ ہیں جو پوری امتِ مسلمہ پر بحیثیتِ مجموعی عائد ہوتے ہیں: مثلاً نمازِ جنازہ، تبلیغِ دین اور جہاد کرنا۔ کچھ اہلِ ہمت آگے بڑھتے ہیں اور تمام مسلمانوں کی طرف سے یہ فرائض انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: 'وما كان المومنون لينفروا كافة، (التوبہ۹:۱۲۲)' اور یہ کچھ ضروری نہ تھا کہ اہلِ ایمان سارے کے سارے ہی نکل کھڑے ہوتے۔'' 'ولتكن منكم امة يدعون الى الخير' ۔(آل عمران۳:۱۰۴) ''تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں۔ یہ فرامینِ خداوندی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوذر غفاری کو امارت سے منع فرمانا اور 'انك ضعيف، (صحیح مسلم، کتاب الامارہ) کہہ کر اس کی وجہ بیان کرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے لیے ضروری نہیں کہ وہ ہر کام میں ہاتھ ڈال دے اور برے بھلے طریقے سے اسے کرنا شروع کر دے۔ البتہ اسے دینی واجبات کا شعور ہونا چاہیے اور وہ اپنی ہمت سے آگے بڑھ کر انھیں بجالانے کا شوق رکھتا ہو۔ وہ اپنی طبیعت اور مزاج کا لحاظ رکھ کر وہ کام چن سکتا ہے جسے وہ تندہی سے ادا کر سکتا ہو اور اپنی زندگی اس میں کھپا سکتا ہو۔

ایک مبلغ کو اسلام اپنی اصل اساس، یعنی کتاب وسنت کے مطابق بیان کرنا ہوگا۔ فرائض، واجبات اور مستحبات کی وہی ترتیب ملحوظ رکھنا ہوگی جو شریعت بتاتی ہے اور اسی ترتیب کو آگے بیان کرنا ہوگا۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ اپنے مزاج کے مطابق احکامِ دین کی نہج بدل ڈالے اور جو کام وہ خود کر رہا ہے اسے اصلِ دین بتانا شروع کر دے۔ اگر وہ دروں بیں ہے تو اسے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ باقی سب کام روحِ دین سے خالی ہیں، اگر وہ جہاد میں برسرِ پیکار ہے تو باقی مسلمانوں کو غافل اور سست قرار دے دے، اگر وہ ایک محکوم قوم میں بس رہا ہے تو پوری امتِ مسلمہ کو محکومیت کا درس دینا شروع کر دے، اگر وہ سیاسی سطح پر دینی کام کر رہا ہے تو کہے کہ کرنے کا کام یہی ہے۔

جو مسلمان بھی توحید پر قائم ہے، دینی فرائض ادا کرتا ہے اور گناہوں سے بچتا ہے اس کو مسلمان سمجھنا چاہیے اور اسے آگے بڑھ کر نصرتِ دین کا فرضِ کفایہ ادا کرنے پر ابھارنا چاہیے، یہی طریقہ ہے جس کے ذریعے سے ملتِ اسلامیہ ایک لڑی میں پروئی جا سکتی ہے اور انتشار سے بچ سکتی ہے اور ہر آدمی اپنی استعداد و صلاحیت کو مکمل طور پر بروئے کار لا سکتا ہے۔

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سلیم صافی

کرپشن کا خاتمہ: ٹارگٹ نہیں، پروسس ہے

خدا جانے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو احتساب سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کر بیٹھے ہیں اور کہہ رہے ہیں: ''عسکری حکومت جلد از جلد احتساب اور کرپشن کے خاتمے کا عمل مکمل کر کے واپس چلی جائے۔'' گویا احتساب اور کرپشن کا خاتمہ بھل صفائی مہم جیسا کوئی ٹارگٹ ہے، جسے چند دنوں میں مکمل کیا جا سکتا ہے۔

آخر ان لوگوں کو کون سمجھائے کہ کرپشن کا خاتمہ ٹارگٹ نہیں، مسلسل عمل ہے۔ اسے اگر بطور ٹارگٹ لیا جائے تو کبھی کسی معاشرے کو کرپشن سے پاک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح نہ تو جمہوریت کرپشن کا باعث ہے اور نہ جمہوریت کو ختم کر کے کرپشن کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ کرپشن کے عوامل کچھ اور ہیں۔ صرف سیاست دان کرپٹ نہیں ہیں، بلکہ معاشرے کے سبھی شعبوں کے لوگ کرپٹ ہیں۔ کرپشن صرف چند سیاست دانوں یا افسروں کو قید کرنے سے ختم نہیں ہو گی؟ اس کے لیے معاشرتی قدروں کو بدلنا ہو گا۔ خوفِ خدا اور خوفِ آخرت کے جذبے کو ابھارنا ہو گا۔ معاشرتی تفریق کو ختم کرنا ہو گا۔ آئین اور قانون کو بالادست بنانا ہو گا اور ہاں، سب سے بڑھ کر یہ کہ پہلے حکمرانوں کو قانون کے سامنے جواب دہ ہونا ہو گا۔

کیا کرپشن صرف پاکستان میں ہے؟ کیا پوری انسانی تاریخ میں کوئی دور ایسا آیا ہے، جب کرپشن کا وجود یکسر ختم ہو گیا؟ کیا دیگر جمہوری ممالک کرپشن سے پاک ہیں؟ ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے۔ کرپشن اس وقت بھی ہر ملک اور ہر جگہ موجود ہے۔ کسی جگہ کم ہے اور کسی جگہ زیادہ۔ لیکن کسی بھی ملک میں اس کے خاتمے کے لیے جمہوریت کی بساط نہیں لپیٹی جاتی۔ اس کے لیے آئین کو بالائے طاق نہیں رکھا جاتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ دانا لوگ جانتے ہیں کہ کرپشن کا خاتمہ ٹارگٹ نہیں، بلکہ مسلسل عمل ہے۔

ایک دفعہ ایک ٹی وی پروگرام میں ہندوستان کے تین سابق وزرائے اعظم گجرال، وی پی سنگھ اور چندر شیکھر

آئے۔ سپریم کوٹ کے سابق چیف جسٹس احمدی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ لوگ تقریباً ڈیڑھ سو سامعین کے سامنے ہندوستان کے مسائل کا ذکر کر رہے تھے۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ ہندوستان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ تو ان سب کا متفقہ جواب تھا: ''کرپشن''۔ چینی وزیراعظم نے ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ کرپشن ہے۔ جاپان جیسے ترقی یافتہ ملک میں کئی لوگ کرپشن کے الزامات کے تحت مستعفی ہوئے۔ اسرائیل کے سابق وزیراعظم نیتن یاہو پر کرپشن کا الزام لگا۔ برطانیہ اور امریکہ میں سیاست دانوں کی کرپشن کے کئی سکینڈل منظرِ عام پر آئے، لیکن ان ممالک میں کسی نے بھی کرپشن کے خاتمے کے لیے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جو ہمارے ملک میں اختیار کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ کرپشن کا خاتمہ ٹارگٹ نہیں، بلکہ پروسس ہے۔

ہماری ملکی تاریخ گواہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے احتساب کے نام پر کئی سال گزارے۔ شاید ان کی نیت بھی خراب نہ تھی۔ خود جنرل ضیاء الحق پر کرپشن کا کوئی بڑا الزام بھی نہیں لگا، لیکن وہ کرپشن کو ختم نہ کر سکے۔ وجہ واضح ہے کہ وہ کرپشن کے خاتمے کو ٹارگٹ سمجھ رہے تھے اور اس کے لیے مستقل اور مناسب نظام نہ بنا سکے۔ سابق وزیراعظم بےنظیر بھٹو نے بھی احتساب کے نعرے لگائے۔ اس کے لیے کچھ مخصوص لوگوں کو استعمال کیا، لیکن ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ میاں نواز شریف آئے، احتساب کو اپنا اہم ہدف قرار دیا، اس کے لیے کچھ مخصوص لوگوں کی مدد حاصل کی، لیکن سب نے دیکھ لیا کہ مسئلہ حل نہ ہوا۔ اب ایک بار پھر یہ سلسلہ جاری ہے۔ لوگوں کو پکڑ کر تین تین ماہ تک جسمانی ریمانڈ پر بھیجا جا رہا ہے۔ انھیں سات ضرب چھ کے تنگ و تاریک کمروں میں رکھا جاتا ہے، لیکن کون نہیں جانتا کہ کرپشن کا کینسر معاشرے کی رگوں میں بدستور موجود ہے۔ نہ تو عام آدمی کی زندگی پر کوئی اثر پڑا ہے اور نہ رشوت اور سفارش کا خاتمہ ہوا ہے۔ پولیس ویسے ہی بھتا وصول کر رہی ہے۔ عدالتوں میں انصاف کا حصول ویسے ہی مشکل ہے۔ اس صورت میں اگر کسی خاص سیاست دان کے ساتھ خواہ کتنی ہی سختی کر لی جائے، عوام کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ جب تک ہم کرپشن کے خاتمے کو ٹارگٹ کے بجائے مسلسل عمل سمجھ کر اس کے لیے مناسب اور شفاف نظام بنا کر آئین اور قانون کی بالادستی کو یقینی نہیں بنائیں گے، لوگوں میں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت پیدا کرنے کی سعی نہیں کریں گے، تب تک ہزاروں بیوروز بنا لیے جائیں، ہزاروں سیاست دانوں کو قید کر لیا جائے، کرپشن کبھی ختم نہیں ہوگی۔

---

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

—— جاوید

O

یہ دورِ جہاں کیا ہے؟ دریا بہ حباب اندر   پنہاں بہ حباب اندر، پیدا بہ حباب اندر

خاکی ہو کہ افلاکی، یہ سیر و سفر تیرا   ناقہ بہ حباب اندر، صحرا بہ حباب اندر

صوفی کی شریعت میں دو حرف یہی پائے   دنیا بہ حباب اندر، عقبیٰ بہ حباب اندر

مے خانۂ ہستی کا یہ رنگ بھی دیکھا ہے   مستی بہ حباب اندر، صہبا بہ حباب اندر

اک طرفہ تماشا ہے افرنگ کا طوفاں بھی
آدم بہ حباب اندر، حوّا بہ حباب اندر

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org